معیاری تخلیقات کی ایک اہم

دستاویز

پکھراج

(اصلاحی کہانیوں کا انتخاب)

کرار کاظمی

ممتاز سنیر صحافی، ادیب و افسانہ نگار

کرار کاظمی

ایوان فاطمہ 599-2-22 دارالشفاء حیدر آباد۔۲۴۔انڈیا

ٹیلی فون 4744411 - 4577465

نام کتاب	پکھراج
سن اشاعت	نومبر ۲۰۰۰ء
تعداد اشاعت	پانچ سو
کمپیوٹر کمپوزنگ	محمد عبدالنذیر
سرورق	سید ہادی عباس
طباعت	میاکس آفسیٹ پرنٹرز چھتہ بازار، حیدرآباد۔
ناشر	بانگ درا پبلیکیشنز حیدرآباد
زیر اہتمام	اظہار کاظمی تاجدار
قیمت	ایکسو پچیس روپے (-/125)

(یہ کتاب اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کے جزوی مالی تعاون سے شایع ہوئی)

ملنے کے پتے

بانگ درا پبلیکشنز

ایوان فاطمہ۔599-2-22 دارالشفاء حیدر آباد۔۲۴۔انڈیا فون4577465

دفتر: کل ہند نہج البلاغہ سوسائٹی، مصطفے بلڈنگ فرسٹ فلور

جواہر لال نہرو روڈ، عابڈز نزد رام کرشنا تھیٹر حیدر آباد، انڈیا فون 4744411

انتساب

○

فاطمہ کرار

کے نام

جو میری شریک حیات بھی ہے

اور

میری رفیق سفر بھی

کرار کاظمی

پکھراج کی ترتیب

O

صفحہ نمبر

پکھراج کے بارے میں	ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید	۵
زندگی کے رشتے	رفعیہ منظور الامین	٦
اپنی بات	کرار کاظمی	۸
پکھراج	ناولٹ	۹
نوری	ناولٹ	۳۸
اچھی صورت بھی کیا بری شئے ہے	افسانہ	۷۴
بے گناہ	افسانہ	۸۲
شادی کے بعد	ناولٹ	۱۰۰
نوجیون	افسانہ	۱۴۴

O

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید

پکھراج کے بارے میں

جناب کرار کاظمی نہ صرف ایک سنیر صحافی ہیں بلکہ کامیاب افسانہ نگار۔ خوش فکر وخوشنوا شاعر اور آل انڈیا نہج البلاغہ سوسائٹی کے سرگرم جنرل سکریٹری۔

پیش نظران کے چھ کہانیوں کا مجموعہ ہے جس میں ناولٹ بھی ہیں اور مختصر افسانے بھی۔ زبان بہت سلیس اور بیان دلکش اور سبق آموز بھی۔ کاظمی صاحب نے سماج کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھا ہے خصوصاً عورتوں کے مسائل پر نہایت چابکدستی سے روشنی ڈالی ہے۔ مجھے خوشی ہوی کہ ایک مرد اہل قلم ہم عورتوں کی زندگی سے ہمدردی رکھتا ہے! اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

پکھراج کے تین افسانے بطور خاص دلچسپ اور دلنشیں ہیں "اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے" بڑا پر لطف افسانہ ہے "شادی کے بعد" چونکا دینے والا اور "نوجیون" کرشمۂ قدرت کا مظہر کہلایا جاسکتا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کرار کاظمی صاحب کو ناولٹ لکھنے کا زیادہ شوق ہے۔

جناب کرار کاظمی ہماری حیدرآبادی تہذیب کے موقر نمایندے ہیں۔ اردو ادب سے انہیں خاص لگاؤ ہے۔ ویسے فارسی، عربی، اردو، انگریزی میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ اپنی دلنواز شخصیت کی بنا پر ہر دلعزیز، دانشور اور مخلص انسان ہیں۔ پکھراج کی اشاعت پر دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ امید ہے کہ اس مجموعہ کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

نیاز مند

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید

گرین ویو، شانتی نگر۔ حیدرآباد

رفیعہ منظور الامین

زندگی کے رشتے
(کرار کاظمی کی نظر سے)

زیر نظر مجموعے میں کرار کاظمی صاحب کے تین ناولٹ اور تین افسانے شامل ہیں۔ Novelette انگریزی زبان کا لفظ ہے جو عام طور پر ہلکے پھلکے رومانی ناول کیلئیے استعمال ہوتا ہے ویسے انگریزی میں یہ موسیقی کی اصطلاح کے لیئے بھی استعمال ہوتا ہے' پیانو کی ایک آزاد دھن کو بھی کہا جاتا ہے جو مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ موسیقی سے قطع نظر ہم اپنی بات کو فکشن تک محدود رکھینگے۔

کرار کاظمی صاحب ایک سینئر صحافی ہیں جو برسوں کا صحافت کا تجربہ رکھتے ہیں لیکن فکشن کے میدان میں وہ قدرے نئے ہیں پھر بھی وہ اس میدان میں وہ نپے تلے قدموں سے داخل ہوئے ہیں۔ انکے ناولوں اور افسانوں کے کردار جیتے جاگتے ہیں۔ ان کی تخلیقات کو پڑھکر مجھے یہ احساس ہوا کہ انکے ناولٹ تکنیکی اور فنی اعتبار سے مکمل ہیں اور بالی ووڈ کے ڈائریکٹر ان پر اچھی فلمیں بنا سکتے ہیں۔ مثلاً انکے ناولٹ ''پکھراج'' کی عمدہ فلم بن سکتی ہے۔ پکھراج ایک غریب گھرانے کی لڑکی ضرور ہے لیکن اس میں زندگی کی مشکلات سے مردانہ وار مقابلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ ہار اور پسپائیت کے الفاظ اسکی لغت میں نہیں ہیں۔ وہ کوٹھے پر پہنچادی جاتی ہے لیکن اسکا عزم اور حوصلہ اس منفی صورت حال کا مقابلہ کرتا ہے اور وہ وہاں سے بچ نکلتی ہے۔ اس کہانی میں وہ عنصر ہے جسے سرپرائز کہہ سکتے ہیں۔ آج کی فیچر فلموں میں یہ عنصر بڑی کامیابی سے استعمال کیا جارہا ہے۔

رام کی شادی پکھراج سے ہونے کو ہے' شادی کی تیاریاں مکمل ہیں بس

پھیرے ہونے کی دیر ہے کہ پتہ چلتا ہے رام تو پکھراج کا بھائی ہے۔ بازی الٹ جاتی ہے اور پریم کی جس سے پکھراج کی ذہنی وابستگی ہے پکھراج سے شادی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح کرار کاظمی صاحب کے افسانے 'بے گناہ' پر ایک اچھی ٹیلی فلم بن سکتی ہے۔اس افسانے میں سریش کا کردار بہت مضبوط ہے۔

فکشن سے متعلق مشہور نقاد احتشام مرحوم کے یہ الفاظ غور و فکر کے قابل ہیں۔

"موضوع کے انتخاب میں افسانہ نگار بہت حد تک آزاد ہے لیکن جب وہ پوری طرح اسکو فنی سانچے میں ڈھال نہ سکے تو وہاں افسانہ نگار ناکام ہو جاتا ہے۔"

کرار کاظمی نے جو موضوعات چنے ہیں وہ با مقصد اور اصلاح کا پہلو لیئے ہوئے ہیں ۔ان کے موضوعات زندگی کے خام مواد (Raw Material) سے ماخوذ ہیں مگر فنکار کی انگلیاں ان سے بہت خوبصورت ہیولے تعمیر کر لیتی ہیں۔

زندگی کے رشتے بنتے ہیں بگڑتے ہیں۔ کرار کاظمی کی کہانیوں میں اس شکست و ریخت کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔انکی زبان میں بڑی مٹھاس ہے۔ کہیں اردوئے معلّٰی کی چاشنی ہے تو کہیں لکھنؤ کے آہنگ کی صدائے بازگشت تو کہیں حیدر آباد دکن کے لہجے کی گونج۔

عورت پر مرد کے ظلم و ستم کی داستان کوئی نئی بات نہیں ہے۔ عورت جسکے ساز سے زندگی کا سوز دروں ہے۔ عورت وہ ہستی ہے بقول جوش ملیح آبادی جو اگر بزم سے اٹھ جائے چراغاں نہ رہے۔ عورت جسکی مشت خاک شرف میں ثریا سے بڑھکر ہے۔اسکو مرد صدیوں سے کھلونا بنا کر کھیلتا آیا ہے۔ کرار کاظمی کی کہانیوں میں ہمیں اسی عورت کو پاتال سے اوپر اٹھانے کی کوشش ملتی ہے۔

میں کرار صاحب کو ان کی ہر اس ادبی تخلیق پر مبارکباد پیش کرتی ہوں جس میں انہوں نے سماجی مسائل کو کریدنے اور انکا حل تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔

رفیعہ منظورالامین

اپنی بات

لکھنے لکھانے پڑھنے پڑھانے کا شوق مجھے بچپن ہی سے رہا ہے چنانچہ اسکول سے لے کر کالج کے زمانے تک میگزین میں نہ صرف لکھا کرتا بلکہ تحریری اور تقریری مقابلوں میں ہمیشہ پہلا انعام حاصل کرتا شوق بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچا کہ طالب علمی کے زمانے ہی میں ۱۹۶۰ء میں بانگ درا اور ۱۹۸۰ء میں آواز امروز نام سے دو اخباروں کی اشاعت شروع کردی پھر ادھر ملک کے مختلف اخبارات کے علاوہ ریڈیو اور دوردرشن پر اپنی تخلیقات پیش کرنے کا بدستور مجھے آج بھی موقع مل رہا ہے۔

اپنے چند مخلص دوستوں کی خواہش اور اصرار پر چند کہانیوں کا انتخاب "پکھراج" آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اس میدان میں کہاں تک میں کامیاب رہا ہوں اسکا فیصلہ پکھراج کے قارئین کرینگے۔ اور مجھے بتائینگے کہ پکھراج کی کہانیاں آپکو کیسی لگیں تاکہ مجھے ہمت ملے اور اس سلسلے کو آیندہ بھی جاری رکھ سکوں۔

میں اردو' فارسی اور انگریزی کی ممتاز و مشہور شاعرہ و افسانہ نگار محترمہ ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید صاحبہ اور ہندوستان کی ممتاز و نامور افسانہ نگار محترمہ رفیعہ منظور الامین صاحبہ کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے میرے ان کہانیوں کے انتخاب "پکھراج" کے سودے کا دلچسپی سے مطالعہ کیا انھیں پسند فرمایا اور اپنی زرین رائے سے بھی مجھے نوازا جسکے لئے میں انکا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

پکھراج کے قارئین کی رائے جاننے کا منتظر

کرار کاظمی

ایوان فاطمہ 599 - 2 - 22
دارالشفاء' حیدرآباد۔ ۲۴۔ انڈیا
فون 4744411 - 4577465

(ناولٹ)

پکھراج

پکھراج کے دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ یہ تینوں چھوٹے چھوٹے ہی تھے کہ انکے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اسکا چھوٹا بھائی ونود ایسا بیمار پڑا کہ جینے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ شوہر کی موت اور بچے کی بیماری نے ماں کو بالکل پژمردہ کر دیا تھا اس لئے گھر کا تمام کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال پکھراج ہی کے ذمے تھی۔

ونود تقریبا ایک مہینے تک بیمار رہا۔ پھر بتدریج اسکو صحت ہونے لگی اور وہ دن بھی آیا کہ وہ پلنگ کی پٹی پکڑ کر چلتا تو ماں خوشی سے پھولی نہ ساتی۔

پکھراج کے باپ کے انتقال کے بعد سے اس کی ماں شیلا دیوی کو ماہانہ دو سو روپے بیوہ فنڈ ملنے لگا تھا جس میں چھ سات آدمیوں کا گزارہ بہت مشکل تھا اور بیماریوں کی وجہ سے وہ قرضدار بھی ہو گئی تھی ایک روز اسکا بڑا لڑکا سنیل روتا ہوا اسکول سے آیا پکھراج نے اس سے پوچھا سنیل روتے کیوں ہوں کیا ہوا۔

" سنیل نے روتے ہوئے کہا۔ ماسٹر جی کہتے ہیں کہ میرے کپڑے بہت میلے ہو گئے ہیں اگر میں صاف ستھرے کپڑے پہن کر اسکول نہ جاونگا تو وہ میرا نام خارج کر دینگے وہ ہچکیاں لیکر رونے لگا۔

بہن نے اسکے آنسو پونچھکر کہا رونے سے فائدہ؟ سر میں درد ہو گا تم فکر نہ کرو! میں تمہیں صاف کپڑے پہنا کر اسکول بھجوں گی۔ سنیل نے کہا میرے پاس تو صاف کپڑے ہی نہیں ہیں۔ آپ کہاں سے لا کر پہنا ئینگی؟

"تم اسکی فکر نہ کرو ! اور پرسوں مجھ سے صاف کپڑے لے لو! اب جاؤ بھائی بہن کے ساتھ کھیلوں! وہ دیکھو نیلم اور ونود تم کو بلا رہے ہیں۔

سنیل چلا گیا پکھراج نے رسوی کا کام ختم کر کے باپ کے صندوق کا جائزہ لیا جس

میں دو تین پرانے پاجامے اور دو تین پھٹی ہوئی قمیصیں تھیں اس نے اس میں سے ایک جوڑا تینوں بچوں کیلئے تیار کر دیا سنیل اسکول جاتے وقت صاف ستھرے کپڑے پہن کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ کپڑے پرانے ہونیکی وجہ سے امید تھی کہ زیادہ عرصے تک کام نہ دے سکینگے۔ اس لئے پکھراج نے بچوں کے لئے نئے کپڑے بنانے کی ایک ترکیب سوچی کھلونے بنا کر شیلا دیوی نے اور اس نے بازار میں بکوانے شروع کئے۔ بچے اسکول جانے لگے تو اس کے دل میں بھی پڑھنے لکھنے کی خواہش پیدا ہوئی تھوڑا سا پڑھنا لکھنا تو وہ پہلے ہی سے جانتی تھی اس لئے اسے اسکول کی تیسری جماعت میں شریک کر لیا گیا۔

اسکول میں شریک ہونے سے پہلے گھر کا تمام کام کاج پکھراج کے ذمے تھا مگر جب وہ مدرسہ جانے لگی تو گھر کا کام کاج سب میں تقسیم کر دیا گیا۔

صبح کا ناشتہ ماں تیار کرتی ۔ اسوقت تک سب بچے ایک دن پیشتر کے اتارے ہوئے کپڑے صابن سے دھو کر سکھا دیتے۔ اس کے بعد سب نہانے کے لئے چلے جاتے رات کا کھانا پکھراج تیار کرتی برتنوں کی دھلائی نیلم کے ذمے تھی سنیل اور ونود پانی بھرتے تھے۔

کھلونوں کے بکوانے سے انکو فائدہ تو ہوتا تھا۔ مگر وہ انکے کھانے پینے اور تعلیمی اخراجات کے لئے ناکافی تھا کیونکہ ماں کو جو بیوہ فنڈ ملتا تھا وہ قرضے میں چلا جاتا تھا اس لئے ماں تو حسب معمول کھلونے بنایا کرتی اور پکھراج مزدوری پر سلائی کا کام کرنے لگی۔ اور یہ کام اسے رات کے کھانے اور کچھ دیر تک اسباق پڑھنے کے بعد سے شروع کر کے گیارہ بارہ بجے تک کرنا پڑتا تھا۔ اس سے بھی اسکو بہت فائدہ ہوا اور اسنے ایک مشین خرید لی۔ سلائی کے وقت سنیل اسکی بہت مدد کرتا تھا۔ اور مختلف قسم کے کاٹ کے نمونے فراہم کرتا جس سے کپڑے دن بہ دن زیادہ تعداد میں اسکے پاس آنے لگے۔

ایک زمیندار نے جسکی فلک بوس عمارت پکھراج کے مکان سے تقریباً دو سو قدم کے فاصلے پر تھی سنیل کو کتابیں خریدنے کے لئے کچھ روپئے دیئے۔ وہ روپیے لیکر خوش خوش گھر گیا اور بہن کو بتایا۔

"سنیل! تم لوگوں کے دیئے ہوئے روپیوں کو لیکر کیوں خوش ہوتے ہو؟ بہن

نے کہا" تمہارا خوش ہونا اسوقت بجا تھا جبکہ تم اسے محنت کر کے حاصل کرتے کیا تم نے اپنی مجبوریوں کا حال زمیندار صاحب سے بیان کیا تھا؟

"سنیل چپ تھا۔

"سچ کہو! تم نے زمیندار صاحب سے کیا کہا؟

سنیل نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ خود انھوں نے حالات دریافت کئے تھے۔ اس نے سر جھکا لیا۔

" تو تم نے اپنے حالات کیا بیان کئے؟

" آپ خفا ہونگی۔ اسکا چہرہ اتر گیا۔

"نہیں۔ تم سچ سچ کہو! میں خفا نہ ہونگی

"سنیل بولا۔ میں نے کہا کہ ہماری اماں کھلونے بنا کر بکواتی ہیں۔ ہماری جیجی سلائی کا کام کرتی ہیں۔ اور پڑھتی بھی ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم کو تکلیف کے ساتھ گزارنا پڑتا ہے۔ اب میں پانچویں جماعت میں شریک ہو گیا ہوں۔ لیکن کتابیں خریدنے کے لئے میرے پاس ایک پیسہ نہیں ہے۔ جیجی کہتی ہیں کہ کچھ دنوں صبر کرو تو کتابیں منگوادی جائینگی۔ لیکن مجھے اس بات کا رنج ہے کہ کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے میں دوسرے لڑکوں سے پیچھے رہ جاؤنگا یہ سنکر زمیندار صاحب نے مجھے یہ روپے دیئے اور کہا کہ جب کبھی تم کو ضرورت پڑے مجھ سے آکر کہو۔

"پکھراج نے نرمی سے کہا اپنی مصیبتوں کا حال لوگوں سے بیان کر کے مدد طلب کرنے میں بے عزتی ہے۔ تمہاری ان لوگوں میں کچھ عزت باقی نہیں رہے گی۔ جن سے تم نے ایک فقیر کی طرح سوال کیا ہے۔ سنیل ایک بات بتاتی ہوں محنت کر کے روپیہ کماؤ !اور اسوقت خوش ہو! لیکن خبردار آئیندہ سے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ کے ہمیں کچھ دیجئے۔ ہماری مدد کیجئے! ہم قابل رحم ہیں بچے ہیں' یتیم ہیں۔ یہ بہت بری عادت ہے۔ سوال تو ان لوگوں کو کرنا چاہئیے جو بالکل بوڑھے اور بے کس و بے بس ہیں یا اندھے 'لنگڑے لولے اور اپاہج ہیں۔ بھگوان کی دیا سے تم تندرست اور توانا ہو ایشور نے ہاتھ 'پیر 'آنکھیں سب کچھ تمہیں دی ہیں۔ ان سے کام لو اور انہیں بیکار نہ رہنے دو! ابھی سے محنت کے عادی

ہو جاؤ گے تو آیندہ چل کر بڑے سے بڑا کام انجام دینا بھی تمہیں آسان معلوم ہو گا۔

سنیل بڑا عقل مند لڑکا تھا ۔ تھا تو کم سن۔ مگر بہن کی باتوں کا اس کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اس نے جلد سازی کا کام سیکھ لیا اور اسی سے اپنی تعلیمی اخراجات پوری کرنے لگا۔



پکھراج اور سنیل ایک ساتھ مڈل ہوئے سنیل میٹرک کی پہلی جماعت میں شریک ہو گیا۔ ماں نے پکھراج سے تعلیم ختم کرنے کو کہا۔ لیکن اسے تعلیم کا ایسا چسکہ لگ گیا تھا کہ اس نے ماں کی بات نہ مانی اور ایک ہائی اسکول میں شریک ہو گئی۔ اس وقت ان لوگوں کے اخراجات اور بھی بڑھ گئے ۔ اب نیلم سیلائی کا کام کرنے لگی سنیل نے گھڑی سازی کا کام شروع کر دیا۔ ونود جلد سازی کا کام کرنے لگا ماں حسب معمول کھلونے بنایا کرتی اور پکھراج کروشیا کا کام کرنے لگی ۔ اس طرح گھر کا ہر فرد اپنی محنت سے اپنی ضروریات پوری کرنے لگا گھر کی سفیدی' درستی وغیرہ بھی یہ سب مل کے کرتے تھے۔ انھوں نے ان کاموں کے لئے کبھی مزدوروں کو نہیں بلایا۔ اس لئے ان کے پاس پیسے کی کافی بچت ہونے لگی۔

دیوالی کی عید پر پڑوسی زمیندار کے لڑکے مدن نے کچھ روپیہ ان لوگوں کے پاس بھیجا۔ پکھراج نے یہ روپیہ سنیل کے ہاتھوں لوٹاتے ہوئے کہا۔ ”ہم ایشور کی کرپا سے تندرست و توانا ہیں اور اس قابل ہیں کہ محنت کر کے روپیہ کما سکتے ہیں ۔ ہمیں اسکی ضرورت نہیں۔ بہتر ہے کہ یہ پیسہ ایسے شخص کو دیا جائے جو بالکل ہی قابل رحم ہو اور یہ روپیہ لینے کا حقدار بھی ۔ مثلاً کوئی بوڑھا' لنگڑا لولا' اپاہج اور ایسے لوگ جو مانگتے ہوئے شرماتے ہیں۔

”سنیل نے کہا۔ وہ تو ہم ہی کو بے بس اور قابل رحم سمجھتے ہیں۔

”یہ سچ ہے کہ ہم لاوارث ہیں' یتیم ہیں مگر کیسے یتیم جو محنتی اور جفاکش ہیں اور کسی کا روپیہ لینا بے عزتی سمجھتے ہیں۔

”سنیل نے سر جھکا لیا۔ وہ ناراض ہو نگے۔

'' تم نرمی اور ادب سے انکار کردو!

''وہ ہمیں مغرور سمجھینگے۔

''تم اسکی پرواہ مت کرو!

سنیل نے مدن کو روپیہ لوٹاتے ہوئے بہن کی کہی ہوئی تمام باتیں دھرائیں۔زمیندار مدن کواس انکار سے بہت غصہ آیا۔



شیلا دیوی کے مکان کے پیچھے ایک چھوٹا سا باغ تھا جو زمیندار صاحب کے وسیع و عریض باغ سے ملا ہوا تھا۔اسی باغ کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی اور اس پہاڑی کے دامن میں ایک ننھا سا تالاب۔اس کے بچے اکثر وہیں تفریح کے لئے جایا کرتے۔سب مل کر گاتے 'تیرتے 'کھیلتے کودتے پہاڑی پر چڑھ جاتے۔نیلم اور ونود پھول توڑ کر ہار اور گجرے بناتے۔چوٹی میں لگاتے۔غرض یہ باغ پہاڑی اور تالاب ان کے لئے جنت سے کم نہ تھا جہاں پر ان کے فرصت کے گھنٹے خوشی سے گزرتے رہتے۔

ایک شام حسب معمول پکھراج باغ میں گئی سنیل اور ونود کہیں ٹورنامنٹ میں گئے ہوئے تھے۔نیلم باغ میں بیٹھی پھولوں کے گجرے بنا رہی تھی۔پکھراج تالاب کے کنارے بیٹھ کر لہروں کا لطف اٹھا رہی تھی پیچھے سے آواز آئی ''پکھراج!اس نے مڑ کر دیکھا۔کچھ دور پر مدن کھڑا ہوا تھا۔کسی قدر توقف کے بعد مدن نے کہا پکھراج!

''وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور جواب دیا۔جی!

''مدن اسوقت بہت پریشان تھا۔اس نے دستی سے پیشانی کا پسینہ پونچھا پھر بولا۔پکھراج!

مدن کی یہ کیفیت دیکھکر وہ پریشان ہو گئی۔اس نے کہا

''فرمایئے!کیا کہنا ہے آپکو؟

''تو کیا تم کچھ سننے کے لئے تیار ہو۔اس نے استفہامیہ نظروں سے پکھراج کی طرف دیکھا۔کیا تم اسکو مان لوگی جو میں کہنا چاہتا ہوں اس نے بال ٹھیک کئے کیا میری درخواست منظور کر لیجائے گی وہ نرمی اور انکساری سے بولا۔

اگر ہے منظور کرنے قابل تو ضرور قبول کر لی جائیگی۔

''پکھراج ! ڈیر پکھراج میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میری بننا قبول کرلو! یہ میری دیرینہ آرزو ہے۔ بس اب میری زندگی کا دارومدار صرف تمہاری مہربانی پر منحصر ہے۔

پکھراج نے جواب نہیں دیا۔ مدن بولا۔

''میری جیون ساتھی بننا قبول کرلو!

''آپ یہ باتیں کس سے کر رہے ہیں۔ مجھے اس قسم کی باتیں بالکل پسند نہیں مہربانی کر کے مجھ سے ایسی باتیں نہ کیجئے! پکھراج غصے اور نفرت سے بولی۔ مدن نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا پکھراج رحم کرو مجھ پر!

پکھراج نے منہ پھیر کر کہا میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ آپ مجھ سے ایسی باتیں نہ کریں! آپ امیر ہیں' زمیندار ہیں۔ بہت سی امیر لڑکیاں آپکو مل سکتی ہیں۔

''مدن نے پوچھا۔ کیا میں تمہارے قابل نہیں؟

پکھراج نے جواب نہیں دیا۔ میں خود اپنے آپکو آپکے قابل نہیں سمجھتی

''تو کس کو بناؤ گی جیون ساتھی؟

''ایسے آدمی کو جو مجھ سا ہی غریب ہو۔

''مدن نے طنزاً کہا۔ جو تم سا ہی غریب ہو؟

''جی ہاں

''امیروں میں کیا برائیاں ہیں

''میں کب امیروں کو برا کہتی ہوں میں نے تو اسوت امیروں کی شان میں کچھ گستاخی نہیں کی

''تو پھر مجھ سے نفرت کیوں؟

''نہ مجھکو کسی سے نفرت ہے اور نہ محبت

''اگر کوئی تم سے محبت کرے تو کیا یہی طریقہ ہے کہ اس سے سختی کا برتاؤ کرو!

مدن حیرت سے پکھراج کی طرف دیکھنے لگا۔

پکھراج نے فرش زمین کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''کسی کو مجھ سے محبت کرنیکی ضرورت نہیں۔

''کسقدر سنگدل ہو تم پکھراج! تمہارے پہلو میں دل ہے یا پتھر؟

"مجھے خود نہیں معلوم؟ پکھراج نے سر جھکالیا۔

"کیا میری محبت کا یہی انعام ہے پکھراج! مدن نے نا امید ہو کر پوچھا

"آپ مجھ سے ایسی باتیں نہ کریں! جن سے میرے کان آشنا نہیں۔

" خود کشی کرلوں؟

" آپ کی مرضی

"کیا تم کو میرے مرنے کی بھی پروا نہیں؟

"بالکل نہیں ۔کچھ توقف کے بعد بولی۔ مگر اس کے لئے جو محبت نہ کرتی ہو یا محبت کی قدر نہ جانتی ہو۔ جان دینا ایک قسم کی حماقت ہے۔مدن صاحب! کیوں پاگل ہو رہے ہیں آپ؟

اف پکھراج ۔ تم اور میرے لئے یہ الفاظ؟ مجھ پر رحم کرو۔ ورنہ حقیقت میں خود کشی کرلوں گا۔اور میرا خون تمہاری گردن پر ہو گا۔مدن گڑگڑایا" یہ تو آپ کی زبردستی ہے۔میں اپنی مرضی کے خلاف تو کوئی کام نہیں کرونگی وہ استقلال سے بولی۔

مدن نے آگے بڑھ کر پکھراج کا ہاتھ پکڑلیا۔وہ ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی اپنا ہاتھ چھڑا کر بولی۔ بڑے بدتمیز ہیں آپ!

"مدن نے گرم ہو کر کہا۔ میری عاجزی اور انکساری کا تم پر کچھ اثر نہیں ہوا۔یاد رکھو اگر میں نے تمہارے غرور کو خاک میں ملا کر نیچا نہ دکھایا تو۔۔۔

پکھراج نے انتہائی غصے کے ساتھ جواب دیا۔

"پکھراج کسی سے تو خیر۔ مگر آپ سے تو مات نہ کھائیگی۔

"خیر میری آج کی بات بھی یاد رکھنا !لفظ یاد رکھنا۔ کو اس نے ضرور دیکر کہا۔

پکھراج غصے کے ساتھ گھر کی طرف مڑی۔مدن خون بھری آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔



سنیل بی اے ہوا اور ساتھ ہی اسے نوکری بھی مل گئی۔ ونود کا سلسلہ تعلیم جاری تھا ماں حسب معمول کھلونے بنایا کرتی۔ پکھراج اور نیلم دونوں نے میٹرک کا امتحان پاس کرلیا وہ دونوں مشین پر سلائی کیا کرتیں۔

ماں کو دونوں لڑکیوں کی شادی کی بہت فکر تھی۔اس عرصے میں شیلا دیوی کے

نام اسکی ایک سہیلی سارا بائی کا خط آیا کہ اس دیوالی کی عید پر وہ اپنی لڑکی پکھراج کو اسکے ہاں بھیجدے۔ ماں خط پر پڑھکر مسکرائی۔ سنیل کو بتایا۔ وہ ہنس کر بولا جیجی کو ضرور موسی کے پاس بھجوادو!

پکھراج نے بھی خط پڑھا۔ ماں نے سفر کی تیاری شروع کردی اور ایک روز سنیل اسے سارا بائی کے گاوں لے گیا۔

سارا بائی نے بچپن میں پکھراج کو دیکھا تھا۔ اس کی جوانی اور حسن کو دیکھکر بہت خوش ہوئی۔ اسکے علاوہ اس کی نیک سیرتی کی تعریفیں سنکر بھی اسکے دل میں اسکے دیکھنے کی تمنا پیدا ہوئی تھی اب پکھراج اسکے سامنے تھی اس نے سارا بائی کے پیر چھوئے اس نے اسے سینے سے لگالیا۔ پھر سارا بائی نے اسے رہنے کا کمرہ بتایا۔

دوسرے دن سے پکھراج گھر کے کام کاج میں سارا بائی کا ہاتھ بٹانے لگی۔ وہ لاکھ منع کرتی مگر یہ نہ مانتی اور گھر کا سارا کام خود ہی کیا کرتی۔

دیوالی کی عید قریب آگئی۔ پکھراج سارا بائی کے ساتھ عید کی تیاریوں میں مصروف ہوگئی۔ عید سے ایک دن پہلے ایک نوجوان سفری سامان کے ساتھ اس گھر میں آیا سارا بائی نے نوجوان کا تعارف کرایا۔

"پریم تم کو یاد ہے یہ لڑکی؟ سارا بائی نے نوجوان سے سوال کیا

"جی بالکل نہیں۔ نوجوان پریم مسکرایا۔ پکھراج کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ ہے تمہاری موسی شیلا بائی کی بڑی لڑکی۔ جب ہم انکے گھر کے پاس رہتے تھے تو یہ لڑکی چار سال کی تھی اسکے بعد تمہارے باپ کا تبادلہ ہوگیا۔ اور ہم دوسرے شہر چلے گئے اور شیلا بہن بھی اپنے پتی کے ساتھ شہر شہر گھومتی رہی اسوقت تم تو دس سال کے تھے اور اس کے ساتھ ہر وقت کھیلا کرتے تھے۔ ماں ہنس پڑی

پکھراج نے پریم کو نمسکار کا جواب دیا۔ یہ ہیں پکھراج دیوی؟

پریم تعجب سے ہنسا۔

"ہاں وہی پکھراج! تمہارے بچپن کی سہیلی۔ ماں ہنستی رہی پکھراج سر جھکا کر مسکرانے لگی۔

"ماں بیٹے سے بولی" جاؤ اشنان کر آو!

"پریم گنگناتا ہوا حمام میں داخل ہوا۔ ماں کھانے پر اسکا انتظار کر رہی تھی پھر اس نے پریم اور پکھراج کیلئے تھالیوں میں کھانا پروسا۔

اس کے بعد سارا بائی نے پریم سے متعلق سارے کام پکھراج سے کرانے شروع کیئے اور ماں کے اس طریقے سے وہ دونوں بہت خوش تھے۔ ایک دن سارا بائی نے پکھراج سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ ناچ گانے سے ناواقف ہے۔ اس وقت اس نے اس سے کہا کہ اسکا بیٹا ایک بہت بڑا شاعر ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑا موسیقار اور رقاص بھی ہے وہ رقص و موسیقی کے فن اس سے سیکھ لے تاکہ مکمل عورت بن جائے۔ اور بیٹے سے کہا کہ وہ اپنے فن پکھراج کو سکھائے۔ اسی وقت سے پریم نے پکھراج کو رقص و موسیقی کی تعلیم دینی شروع کی۔

حسن و جوانی اور رقص و موسیقی دونوں کے دل ملنے لگے۔ شاید ماں بھی یہی چاہتی تھی کہ ان دونوں کے دل مل جائیں۔ وہ چھپ چھپ کر ان دونوں کا گانا سنتی، ناچ دیکھتی اور خوشی سے پھولی نہیں سماتی۔ اور ہاتھ اٹھا کر دونوں کو اسیر باد دیتی۔



پریم اسے گاؤں سے دور پہاڑ جنگل اور تالاب کے پاس ناچ گانا سکھانے کے لئے لے جاتا۔ وہ اسے یہ فن سکھانے کے لئے کبھی پہاڑی کے اوپر لیجاتا کبھی ندی کے کنارے اور کبھی کھیتوں کے قریب۔ کبھی کبھی وہ گاؤں کے اندرونی باغوں میں لیجا کر بھی یہ ہنر سکھاتا رہتا۔ بہر حال وہ مختلف مقامات پر اسے لیجاتا رہا۔ یہاں تک کہ پکھراج نے اس فن میں کافی مہارت حاصل کر لی۔ پھر ایک دن گاؤں کے سرکاری عہدہ داروں اور پبلک کے سامنے اسکا ہنر پیش کر کے امتحان لیا گیا۔ اور اس نے کامیابی کے ساتھ سونے کا تمغہ حاصل کرنیکے علاوہ کئی انعام بھی جیتے۔



شیلا بائی نے پکھراج کی واپسی کے لئے سارا بائی کو لکھا۔ یہ خط پڑھکر سارا بائی کے علاوہ پریم اور پکھراج کو بہت رنج ہوا۔ جانے سے پہلے ایک دفعہ وہ اسے ایک پر فضا مقام پر لے گیا۔ ایک مرتبہ اس سے گانا سنانے اور ناچ دکھا کے کی خواہش کی۔ پکھراج نے اپنے استاد کے حکم کی تعمیل کی اور تھک کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔

"یہ دلکش فضا! اور تمہارا ناچ گانا! میں کبھی بھی نہیں بھولونگا پکھراج پریم نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"اور میں بھی۔ پکھراج کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"نہیں بھلاؤ گی تم کوئی چیز بھی؟ مسکراہٹ اسکے لبوں پر پھیل گئی۔

"اونہوں! وہ آنسو بھری آنکھوں سے پریم کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ جن میں آنسو لہریں لے رہے تھے۔

"اور مجھے؟ پریم ہنس پڑا اسنے پکھراج کا ہاتھ اور بھی مضبوطی کے ساتھ اپنے پنجے میں جکڑ لیا۔

آپ کو تو شاید زندگی کی آخری سانسوں تک بھی نہیں بھلا سکوں گی۔ فن سیکھا کر تو آپ نے مجھے خرید لیا ہے۔ پریم جی! دکھ سے اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ اس نے سر جھکا لیا۔ آنسو رخساروں پر برس پڑے پریم کے آنسو بھی بے قابو ہو کر پلکوں سے باہر ہو گئے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز سے بولا چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے میں تمہارے سوا کسی کو جیون ساتھی نہیں بناؤ نگا یہ میرا وعدہ ہے پکا وعدہ پکھراج! اسنے پکھراج کے ہاتھ کو جھٹکا دیکر کہا۔ پکھراج کی آنسو بھری آنکھوں میں مسکراہٹ لہرا اٹھی۔

"میرا خیال ہے کہ پریم نے اپنے آنسو پونچھے اور کہا ماں نے تمکو بہو بنانے کے خیال سے ہی یہاں بلایا ہے۔ کیوں کہ انہوں نے بہت سے لوگوں کی زبانی تمہاری تعریف سنی ہے۔

"لیکن۔ انھوں نے زبانی تو آپ سے کچھ نہیں کہا؟

"ممکن ہے آج کل میں کہہ ڈالیں۔

"بھگوان جانے۔ پکھراج نے اپنے آنسو آنچل سے صاف کئے

"نراش ہو؟

"نہیں۔ بھگوان سے آس ہے۔

اسکے بعد دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گھر واپس ہوئے۔ سارا بائی بولی بیٹی تمہارے جانے کا سامان میں نے ٹھیک کر دیا ہے کل صبح کی ٹرین سے پریم تمہیں ماں کے پاس لیجائینگے۔ پھر وہ دونوں کو پوجا کے کمرے میں لے گئی رام جی کی مورتی کے سامنے پرارتھنا کی۔ پھر ہنستے ہوئے رام جی کے چرنوں میں رکھے ہوئے سونے کے کنگن پکھراج کی کلائیوں میں پہنا دیئے اور بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے مورتی کے قدموں کی طرف اشارہ کیا۔ پریم نے اپنے ہاتھ سے سیندور لیکر پکھراج کی پیشانی پر لگا دیا۔ پکھراج نے جھک کر سارا بائی کے چرن چھوئے۔ اسنے اسے کلیجے سے لگالیا۔

ماں چلی گئی۔ پریم نے پکھراج کو سینے سے لگا لیا دونوں اسوقت اپنی محبت کی کامیابی پر پھولے نہیں سمارہے تھے۔



ماں پکھراج کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور ساتھ میں پریم کو دیکھکر بہت خوش ہوئی وہ چار پانچ روز انکے گھر رہا۔ سنیل نے اسے سارے گاؤں کی سیر کرائی۔ اسی دوران میں مدن سے بھی ملاقات ہوگئی۔ ایک دن مدن نے پریم کو اپنے گھر میں دعوت دی پریم بھی اسے گاؤں آنے کی دعوت دے گیا۔

پریم کی واپسی کے بعد سارا بائی نے شیلا بائی کو کنگن پہنانے کا سبب بتا کر شادی کی درخواست کی۔ جو فوراً منظور کر لی گئی۔ شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی اس عرصے میں نیلم کے لئے بھی پیام آیا۔ اسکی شادی بھی ٹھیک ہوئی۔

دونوں شادیوں کی تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ اتنے میں سارا بائی کے پاس سے خط آیا کہ اسکے بھائی کے اچانک بیمار ہو جانے کی وجہہ سے یہ شادی ملتوی کی جارہی ہے۔ آئیندہ اس بیاہ کے بارے میں لکھا جائے گا۔

خط پڑھکر گھر کا ہر فرد غمگین ہوا۔ ادھر نیلم کے سسرال والے اسکی شادی کے لئے مجبور کرنے لگے۔ شیلا دیوی کا خیال تھا کہ پہلے بڑی لڑکی کی شادی ہو مگر کیا کر سکتی تھی۔ اتفاقی حادثے نے اس شادی کو ملتوی کر دیا تھا۔ اپنے تینوں بچوں اور خصوصاً پکھراج کے

انتہائی جبر سے نیلم کی شادی کر دی گئی۔

اسکے بعد شیلا بائی اور اسکے بچوں نے مدت تک پریم کی ماں کے خط کا انتظار کیا۔ مگر وہاں سے کوئی خط نہیں آیا۔ اس لئے شیلا بائی خود سارا بائی سے اس شادی کے متعلق بات چیت کرنے کے لئے گاؤں گئی۔



شیلا بائی جب سارا بائی سے ملی تو دیکھا کہ وہ شادی کے معاملے میں بالکل خاموش ہے اس کی یہ حالت دیکھکر شیلا دیوی کو بہت رنج ہوا۔ اس نے اسکے متعلق پوچھا۔

”شادی کی تاریخ ٹھہرانے کے بعد اب انجان کیوں ہو رہی ہو!

”بعض باتیں ایسی ہیں کہ میں اب پکھراج کو بہو بنانے سے مجبور ہوں۔

”شیلا دیوی کے دل پر جسے کسی نے گرم گرم لوہار کھدیا۔ ”کچھ کارن بھی ہے؟
اسنے پوچھا

”کارن تو تم خود جانتی ہو اس معاملے میں تم کیوں انجان بن رہی ہو؟ کہو تو سہی پکھراج کس کی لڑکی ہے اور اسکے ماں باپ کون ہیں؟

”شیلا دیوی اچھل پڑی۔ پکھراج! پکھراج تو میری لڑکی ہے۔ اس نے اپنے آپکو سنبھال کر کہا۔

”جھوٹ مت بولو بہن! پکھراج تمہاری لڑکی نہیں ہے۔ بلکہ ایک گمنام لڑکی ہے سچ بولو! کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔ سارا بائی کو غصہ آگیا۔ بھلا ایسی لڑکی سے میں اپنے لڑکے کا بیاہ کیسے کر سکتی ہوں۔

شیلا دیوی نے جواب نہیں دیا۔ اسکی آنکھیں بھیگ گئیں کچھ نہ بولی سارا بائی نے کہا۔

”میرے کنگن واپس کر دو! ورنہ مجبوراً مجھے تمہارے گھر آنا پڑے گا۔ اسکا لہجہ بہت سخت تھا۔

”واپس کر دونگی تمہارے کنگن! شیلا دیوی نے اپنے آنسو پونچھے۔ لیکن میری ایک درخواست ہے کہ یہ بات پکھراج کو معلوم نہ ہونے پائے کہ وہ ایک گمنام لڑکی ہے۔

”وہاں اس سے تو کوئی کہنے نہ جائیگا۔ سارا بائی نے جواب دیا

”لیکن بہن یہ تم سے کس نے کہا کہ پکھراج میری لڑکی نہیں؟

”تمہارے ہی گاؤں سے ایک آدمی آیا تھا اسی نے یہ بات بتائی

''کیانام تھااس شخص کا!

''مدن

''مدن ؟ شیلا دیوی نے انتہائی حیرت کے ساتھ پوچھا پھر وہ سر جھکا کر پکھراج کے بارے میں سوچنے لگی۔ اسکے ہاں لڑکا پیدا ہوا تھا زچہ خانے ہی میں اسکا انتقال ہو گیا اور اسی دوران میں یہ بچی اتفاقیہ طور پر اسے مل گئی۔ اور اس وقت سے وہ اسکی پرورش کرنے لگی۔ اسکی آنکھیں چھلکنے لگیں۔ اس نے آنچل سے اپنے آنسو صاف کئے۔ مدن پڑوسی تھا اس کی ماں پکھراج کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔ اس نے بیٹے کی خواہش پر اسے بتایا تھا کہ وہ ایک گمنام لڑکی ہے جسے شیلا دیوی نے زچہ خانے میں پایا تھا۔ اور اس وقت سے وہ اسکی پرورش کرتی آرہی ہے۔ اسلئے وہ مدن کی دلھن بننے کے قابل نہیں۔ اور یہی بات پکھراج کو تباہ کرنیکے لئے اسنے پریم کی ماں سے بھی بیان کی۔ جبکہ وہ گھر سے غیر حاضر تھا۔

شیلا دیوی بڑ بڑائی۔ اس کمبخت مدن کو پکھراج سے کیا بیر تھا جو اس کی اچھی خاصی منگنی تھوڑوادی۔

پانی کا ایک گھونٹ بھی پئے بغیر شیلا دیوی اپنے گاؤں کو چلی گئی۔ ریل میں راستہ بھر روتی رہی گھر پہونچکر بچوں سے چھپ کر بھی بہت دیر تک روئی بچے ماں کی خاموشی اور بھیگی ہوئی آنکھوں سے بہت متاثر ہو رہے تھے۔ خصوصاً پکھراج کو اسکا انتہائی دکھ تھا۔

شیلا دیوی نہیں چاہتی تھی کہ پکھراج کی پیدائش کا حال اسے معلوم ہو۔ اور اسکی زندگی اسکے لئے وبال بن جائے۔ اسلئے سنیل کو بھی یہ حال نہیں بتایا۔ درد و غم کو دل میں چھپا کر رکھا پکھراج اسکو اپنے تینوں بچوں سے بڑھکر پیاری تھی اس کی آمد سے پہلے اسکے چار بچے مر چکے تھے۔ مگر جب سے اسنے اسے گود لیا تھا اس کے تینوں بچے زندہ سلامت رہے۔ اس کے قدموں کی برکت کا خیال کر کے وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی

جب ماں کو گھر آکر ایک ہفتہ ہوا تو سنیل نے پکھراج کی شادی کے متعلق اس سے پوچھا۔ وہ بولی۔

لندن والوں نے پریم جی کے ناچ گانوں کا ایک پروگرام بنایا ہے۔ وہ وہاں گئے ہوئے ہیں۔

''تو پھر شادی کے لئے کیا کہا سارا موسی نے ؟

"بات اصل یہ ہے کہ سارابائی بہت زیادہ جہیز مانگ رہی ہیں۔

"آخر کتنا!

"کوئی پچاس ہزار

"منگنی کے وقت تو یہ شرط نہ تھی ان کی؟ سنیل تعجب سے بولا۔

"انکے ایک منہ بولے بھائی ہیں۔ بڑے لکھپتی ہیں۔ وہ پریم کا رشتہ وہاں کرنا چاہتی ہیں۔ پکھراج کے عیب کو چھپانے کے لئے شیلا دیوی سب کچھ جھوٹ کہہ رہی تھیں۔

"کیا پریم جی راضی ہیں اس لڑکی سے بیاہ کرنے کیلیے؟

"ہاں۔انھوں نے ماں کے خط کے جواب میں لکھدیا ہے کہ وہ اسی لڑکی سے بیاہ کرینگے۔ جسے ماں پسند کرینگی۔ شیلا دیوی نے امنڈ کر آنے والے آنسوؤں کو پونچھا۔انھوں نے کنگن واپس مانگے ہیں۔

"کتنے نیچ ہیں یہ لوگ! سنیل نے غصے سے دانت پیسے مل ہی جائے گا کوئی نہ کوئی نیک بخت۔ بھجوادو ابھی انکے کنگن!

دوسرے روز پریم کے گاؤں سے کنگن لینے کے لئے نائی آیا۔اور شیلا دیوی نے پکھراج کے ہاتھ سے کنگن اتار کر اسکے حوالے کر دیئے۔ اسکے بعد وہ بہت دیر تک روتی رہی۔ پکھراج بھی ماں کے ساتھ رو رہی تھی۔

منگنی کے ٹوٹ جانے کا سارے گھر کو غم تھا اور سب آنسو بہا رہے تھے۔ خصوصاً پکھراج کی حالت بہت تباہ تھی۔ کیونکہ پریم نے اس سے شادی کا وعدہ کیا تھا اور اب دولت کی خاطر پیمان محبت کو توڑ رہا تھا۔

رنج و غم میں ڈوبی ہوئی پکھراج اپنے مکان کے پچھلے حصے میں گئی اور ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگی پیچھے سے مدن آیا۔اس نے ایک قہقہہ لگایا۔اس آواز پر اسنے مڑ کر دیکھا۔ مدن کھڑا تھا۔ وہ بولا۔

"تمنے تو کہا تھا کہ کبھی ہار نہ کھاؤ گی۔اب تو کھائی ہار؟ معلوم ہو گیا نا؟ پریم نے تم سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔اسکی شادی ایک دولت مند لڑکی سے ہو رہی ہے۔

"آپکو اس سے غرض! غم و غصے سے پکھراج کی آواز کانپنے لگی۔

"مجھے اپنی سیوا کرنے کا موقع دو! اس شاندار کوٹھی کی رانی بننا قبول کرو!

مدن نے اپنی شاندر رہائش گاہ کی طرف اشارہ کیا۔

"شاید یہ زندگی میں کبھی نہیں ہوگا۔ وہ استقلال سے بولی۔

"اور شاید زندگی بھر تمہاری شادی بھی نہ ہو سکے گی۔

"آپ چنتا نہ کریں۔ پکھراج بیزاری سے بولی۔ اور اٹھکر گھر جانے لگی۔

مدن اسکے راستے میں آ کر بولا

"مان لو میری بات! کیوں اپنی زندگی تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہو؟

"ہٹ جایئے میرے راستے سے۔ تنگ نہ کیجئے! ورنہ میں آپکے مانباپ سے جا کر کہدونگی۔

پکھراج انتہائی غصے سے بولی۔

"میرا کیا نقصان ہوگا۔ تمہاری ہی بدنامی ہوگی۔

"بدنام کرنے والے کب نیک نام رہ سکتے ہیں

"مدن ہنس کر بولا۔ بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا

پکھراج راستہ طئے کرنے لگی۔ مدن نے کہا

مجھ سے منھ موڑ کر نہ جاؤ! زندگی بھر پاپڑ بیلو گی۔

پکھراج نے جواب نہیں دیا۔ وہ چلی گئی۔ مدن پیچ وتاب کھا کر رہ گیا۔



کچھ دنوں بعد گاؤں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ پکھراج اور سنیل ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ دنوں شادی کرنا نہیں چاہتے۔ اس خبر کو سنکر سنیل کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ لوگوں سے دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ خبر مدن کی اڑائی ہوئی ہے وہ اسی وقت مدن کے پاس گیا اس نے انتہائی غصے کے ساتھ اسکا گریبان پکڑ کر پوچھا اگر تمہاری بھی پکھراج جیسی کوئی بہن ہوتی تو تم یہ بات نہ کہتے جو تم میری سگی بہن کے اور میرے متعلق سب سے کہتے پھر رہے ہیں۔ بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا؟ مارے غصے کے اسکے منھ سے کف نکلنے لگا۔

"مدن نے گریباں چھڑاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ میرے پیارے دوست!

سگی بہن کے بارے میں اگر کوئی کہے تو بے شک وہ گنہگار ہے۔ سمجھے

"تو کیا پکھراج میری سگی بہن نہیں ہے۔ جو تم ایسا کہہ رہے ہو! غم وہ غصے سے سنیل کی حالت ابتر ہونے لگی۔

"نہیں بلکہ لے پالک لڑکی ہے۔ کنگال اور گمنام! مدن انتہائی حقارت سے بولا۔ جا کر ماں سے پوچھو تو معلوم ہو جائیگی اسکی حقیقت! مجھ پر گرم ہونا بیکار ہے۔ وہ ایک زوردار قہقہہ لگا کر ہنسا۔

سنیل پر سکتہ سا چھا گیا وہ کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا۔ مدن نے اسکے شانوں کو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہوش میں آؤ میرے دوست اتنا اثر کیوں لیتے ہو؟ میں نے جو کچھ بھی پکھراج کے بارے میں کہا ہے سچ کہا ہے۔

سنیل جواب دیئے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ پکھراج رسوئی گھر میں کام کر رہی تھی۔ وہ سیدھا ماں کے پاس گیا۔ اسنے ماں سے پوچھا "مدن کہتا ہے کہ جیجی ہمارے سگی بہن نہیں ہیں کیا یہ سچ ہے ماں؟

"ماں نے جواب نہیں دیا۔ اسکی آنکھیں بھر آئیں۔

"کیا یہ سچ ہے ماں؟ غم و غصے سے سنیل چلایا

ماں اپھر بھی چپ رہی۔ اسکے آنسو رخساروں پر برس پڑے

"بولئے ماں! جواب کیوں نہیں دیتیں آپ؟

"مدن نے جو کچھ بھی کہا ہے سچ ہے۔ مگر یہ بات پکھراج پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ اسے بہت دکھ ہوگا۔

سنیل چپ چاپ وہاں سے چلا گیا اور اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھکر سوچنے لگا۔



دنیا چاہے جو کچھ بھی کہے مجھے اسکی پروا نہیں سنیل ماں سے بولا۔ جب تک جیجی کی شادی نہیں ہوگی میں شادی نہیں کرونگا۔

ماں نے جواب نہیں دیا۔ چپ بیٹھی کپڑے سیتی رہی البتہ اسکے رخسار آنسوؤں سے بھیگنے لگے۔ پکھراج ان کے پاس آئی۔ ماں بیٹے نے اسے حیرت سے دیکھا۔ شیلا دیوی

نے جلدی سے آنسو پونچھے دونوں کی نظریں اسکی طرف اٹھیں۔ پکھراج کا چہرہ اترا ہوا تھا اور آنکھیں سوجھی ہوئیں۔ وہ دونوں سے مخاطب ہو کر بولی۔

"سنیل میری تمنا ہے کہ تم فوراً شادی کرلو! ورنہ یہ دنیا مجھے چین سے بیٹھنے نہ دیگی۔ اس کی آواز رقت سے کانپنے لگی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو پکھراج! ماں نے عجلت کے ساتھ سوال کیا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ماں پھر وہ سنیل کو مخاطب کر کے بولی

"اگر تم کو میری عزت کا خیال ہے اور مجھے حقیقت میں سگی بہن سمجھتے ہو تو شادی کے لئے تیار ہو جاؤ !

"جیجی سنیل چلایا۔ آپ ہماری سگی بہن نہیں تو کیا غیر ہیں ؟

"پکھراج نے غم کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ میں سب کچھ جانتی ہوں مجھے مدن نے سب کچھ بتا دیا ہے ۔وہ فوراً ہی وہاں سے چلی گئی۔ اور اپنے بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔



شیلا دیوی نے سنیل کے لئے لڑکی ٹھیک کی۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی ایک روز دلھن کی ماں نے دولھا کی ماں کو اپنے گھر بلا کر کہا۔

"دیکھو بہن جبتک پکھراج تمہارے گھر میں ہے میں لڑکی کی شادی کرنیکے کے لئے تیار نہیں

"کیوں ؟ کیوں ؟ اس سے کیا نقصان ہو رہا ہے تمہارا، شیلا دیوی نے بڑے غم و غصے کے ساتھ پوچھا۔

"ہم نے سنیل کے اور اسکے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ دیکھتے دیکھتے مکھی چبائی نہیں جا سکتی۔

"تم نے جو کچھ بھی سنا ہے بالکل جھوٹ سنا ہے۔ یہ سب ہمارے دشمنوں کی کاروائی ہے۔ وہ غصے سے کانپنے لگی۔

"جو کچھ بھی ہو۔ پکھراج کی موجودگی میں تو یہ شادی نہیں ہو گی مجبوری ہے گھر آکر شیلا دیوی بہت دیر تک روتی رہی۔

ادھر مدن نے پکھراج کو خط لکھا۔

ڈیر پکھراج!

تم کو اچھی طرح سے میں بتادیا کہ تم شیلا دیوی کی لڑکی ہو اور نہ انکے بچوں کی حقیقی بہن! اس لئے سنیل کی دلھن کے ماںباپ کو تم پر شک ہے اور وہ لوگ اسوقت تک اسکی شادی کرنا نہیں چاہتے جبتک کہ تم اس گھر میں ہو۔ اس لئے اس سے بہتر موقعہ تم کو اپنی زندگی بتانے کا نہیں ملے گا۔ تم میرے پاس آجاؤ! میں تم سے خوشی سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں مجھے اس بات کی بالکل پروا نہیں کہ تم کس کی لڑکی ہو۔ اپنے والدین کی جائز اولاد ہو یا ناجائز مجھے اس سے واسطہ نہیں ۔ میں تو صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہارے بغیر زندگی بسر کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔ جلد آجاؤ! تاکہ دل بے قرار کو قرار ملے ۔

فقط

تمہارا اپنا مدن موھن

پکھراج نے خط پڑھا۔ اس کی نظریں ان جملوں میں پیوست ہو کر رہ گئیں۔ سنیل کی دلھن کے ماںباپ کو تم پر شک ہے اور وہ لوگ اسوقت تک اسکی شادی کرنا نہیں چاہتے جب تک کہ تم اس گھر میں ہو۔ ان سطروں کے سوا اسے سارا کاغذ سفید نظر آرہا تھا۔ آنسو آنکھوں میں خشک ہوگئے کتنی جلدی جلدی اسکے دل پر درد و غم کے نشتر لگائے جارہے تھے زخم پر زخم اور ان پر نمک پاشی۔ پریم کی ماں کا شادی سے انکار۔ اظہار محبت اور شادی کا وعدہ کرکے پریم کی بیرخی۔ اس کی گمنامی پھر یہ کے شیلا دیوی نہ اسکی ماں ہے اور نہ اسکے بچے اسکے بھائی بہن۔ اسکے اور سنیل کے بارے میں گندی افواہیں اس کی موجودگی میں سنیل کے سسرال والوں کا شادی سے انکار پھر مدن کا اسکا پیچھا کرنا وہ مدن جس سے اسکو بچپن سے نفرت ہے۔ یہ سب سوچیں ایک بار اسکے دماغ میں ابھریں۔ اس نے ایک کاغذ پر لکھا۔

ماں جی!

آپکے چرنوں کی خاک کو صندل پیشانی بنا کر لکھ رہی ہوں میں زندگی بھر آپکو آپکے بچوں کو نہیں بھلا سکوں گی۔ میں نے سنا ہے کہ میری موجودگی میں سنیل کی شادی

نہیں ہوگی۔ اس لئے جارہی ہوں اور ہمیشہ کے لئے جارہی ہوں کبھی واپس نہیں آؤنگی۔ آپکے اور آپکے بچوں کے لئے کوئی میری جان بھی مانگے تو بڑی خوشی سے دینے کے لئے تیار ہوں۔

فقط

زندگی بھر آپکو نہ بھولنے والی آپکی

پکھراج

دولھا کے گھر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شادی کی کوئی چہل پہل نہ تھی سنیل ماں سے کہہ رہا تھا۔

نہیں کرتے تو نہ کریں شادی۔ مگر ہم جیجی کو تو کسی حال میں بھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتے۔

''میں بھی تو یہی چاہتی ہوں۔ ماں بولی۔

''آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی لڑکی کے لے کوئی اور لڑکا تلاش کرلیں وہ بڑے غصے سے بولا۔

''میں نے بھی یہی سوچ رکھا ہے۔ ماں بولی

اسکے بعد خاموشی چھاگئی۔ ماں بیٹے کے خلوص پر پکھراج کے آنسو برس پڑے وہ بہت دیر تک آنسو بہاتی رہی۔ جب سب سوگئے تو اس نے اپنا ایک ہلکا سا سوٹ کیس ہاتھ میں لیا۔ ماں کے قدموں پر سر رکھا۔ بھائیوں کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ گھر سے باہر نکل کر ایک مرتبہ اس گھر کی طرف دیکھا جس میں وہ اکیس سال گزار چکی تھی۔ آنسو جھل جھل رخساروں پر برسنے لگے وہ آگے بڑھ گئی۔



اسٹیشن پہونچ کر ٹکٹ لیا۔ اور جہاں کا ٹکٹ لیا تھا وہاں پر اتر پڑی اور سوٹ کیس ہاتھ میں لیکر راستہ طئے کرنے لگی۔ اس طرح اسنے میلوں راستہ طئے کیا۔ آخر کار ایک آبادی میں پہونچکر تھک کر بیٹھ گئی وہاں اس نے کچھ کھانے کے لئے پاکٹ کھولکر دیکھا تو چند روپیوں کے سوا اس میں زیادہ نقدی نہ تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ اس کے ختم ہو جانے کے بعد وہ کیا کریگی۔ اسی سوچ میں وہ راستہ طئے کرنے لگی ایک سنسان مقام پر ایک کار کی ایک عورت نے کار

میں سے اسے بلایا۔

" اے لڑکی ادھر آؤ ! پکھراج کار کے قریب گئی۔ عورت بولی

" بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو آو میں کار پر تمہیں گھر پہونچادوں۔

" دو دن سے تھکی ہوئی کو یہ ذرا سا سہارا بہت بڑا معلوم ہوا۔ وہ بلا چوں وچرا کار میں بیٹھ گئی۔ کار ایک بہت بڑے مکان کے سامنے رکی اندر جاکر پکھراج نے دیکھا کہ وہ ایک غیر معمولی طور پر سجے سجائے مکان میں پہونچ گئی ہے۔ عورت مالکہ مکان بولی۔ بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ نہادھو کر کچھ کھاپی لو ستالو ! پھر گھر چلی جانا۔ کہاں جانا ہے تم کو ؟

" میرا تو کہیں بھی ٹھکانا نہیں ہے۔

" مالکہ مکان ہنسنے لگی۔ پھر تم زندگی بھر یہاں میرے پاس رہ سکتی ہو۔ تمہاری جیسی اور بھی بہت سی لڑکیاں میرے زیر پرورش ہیں۔ اس نے نام لے لے کر پکارا۔ تھوڑی دیر میں اس کی آواز کے ساتھ ہی کئی حسین اور نوجوان لڑکیاں ساڑیوں 'پاءجاموں' دوپٹوں اور گونوں میں سولہ سنگھاروں سے آراستہ و پیراستہ وہاں آگئیں۔ پکھراج ان سب کو حیرت سے دیکھنے لگی۔ مالکہ لڑکیوں سے بولی یہ تمہاری نئی بہن ہے۔ اپنے ساتھ لیجاؤ۔ تھکی ماندی ہے ذرا بے چاری کے آرام کا بندوبست کردو اب یہیں رھینگی یہ۔ وہ مسکرائی۔

ساری لڑکیاں پکھراج کو گھیر کر بنگلے کے اندر لے گئیں وہاں نوکرانیوں نے اسے نہلایا دھلایا عمدہ کپڑے پہنائے۔ کنگھی چوٹی کی پھر کھانا کھلایا شام کو پکھراج نے دیکھا کہ ہر لڑکی اپنا بناؤ سنگار کر رہی ہے اسکے بعد رات کو اسنے دیکھا کہ ہر لڑکی اپنا ناچ گانا پیش کر رہی ہے۔ اسکے بعد ایک ایک لڑکی ایک ایک مرد کے ساتھ کہیں غائب ہوگئی۔ اسے کچھ شک گزرا اور وہ رات کو اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے سوی۔

چند دن تک اس سے کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔ جو سلوک دوسری لڑکیوں کے ساتھ کیا جاتا تھا یہ اس سے بری تھی۔ لیکن ایک روز اسکی بھی باری آئی اسے بھی جبراً سولہ سنگھاروں سے آراستہ کیا گیا گانے کے لئے اسے بھی مجبور کیا گیا۔ پھنس تو چکی تھی بری طرح سے اس لئے ناچ گانے سے انکار نہ کر سکی۔ مجبوراً گانا پڑا اس نے دو گانے گائے۔ اس کے بعد اسے ایک سجے سجائے کمرے میں بھیجا گیا۔ وہاں ایک موٹا تازہ سنڈا مسٹنڈا آدمی

جیسے اسکا انتظار کر رہا تھا۔ اپنے بستر پر ایک غیر مرد کو دیکھکر وہ کمرے کے اندر جانے کے بجائے باہر کے دروازے کی طرف بھاگی وہ موٹا تازہ آدمی بھی اسکے پیچھے بھاگنے لگا۔ پکھراج ہرن کی طرح چوکڑیاں بھر رہی تھی۔ اور وہ موٹا آدمی ہانپتا ہوا اسکا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ انتہائی تیزی کے ساتھ راستہ طئے کرنے لگی۔ ایک جگہ پر سانس لینے کے لئے ٹھہر کر اس نے مڑ کر دیکھا۔ دور سے شکاری آتا ہوا نظر پڑا۔ اسکی رفتار تیز ہو گئی اب وہ ایک ندی کے پل پر تھی۔ بہت دور تک دوڑنے کے بعد اسنے پھر مڑ کر دیکھا۔ شکاری ہانپتا ہوا آرہا تھا۔ پکھراج نے اپنے آپکو ندی کی لہروں میں ڈالدیا۔ دوسرے لمحے میں اسکا جسم پانی میں غرق ہو گیا دور سے ایک بجیرا آرہا تھا۔ بجیرے والوں میں سے ایک نے اسکو پانی میں گرتے ہوئے دیکھا۔ فوراً ہی بجیرے میں ہونے والے ناچ گانے کو بند کر دیا اور خود پانی میں کود کر پکھراج تک جا پہونچا۔ اسوقت اسکا جسم تیسری بار پانی کے اوپر آیا۔ شخص مذکور کے اس تک پہونچے تک بجیرا بھی قریب آگیا اور بے ہوش پکھراج کو اس میں ڈالکر بجیرا آگے بڑھ گیا۔

مالک بجیرہ نے اسی وقت ساتھی ڈاکٹر کو بلایا اسکو ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں۔ اسکے بعد جب پکھراج کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپکو ایک سجے سجائے کمرے میں نرم بستر پر پڑے ہوئے پایا اسکے سامنے ایک حسین نوجوان کھڑا ہوا تھا جسکے ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی۔ اس نے سوال کیا۔

"اب کیسی طبعیت ہے آپکی؟

"ٹھیک ہے" وہ انتہائی ضعف کے ساتھ بولی۔ آپ نے مجھے کیوں بچایا؟

"اسکی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"یہ ایک انسانی فرض تھا۔ نوجوان نے جواب دیا

"یہ کس کا مکان ہے؟

"یہاں کے زمیندار کا

"پکھراج اٹھنے لگی۔ نوجوان نے روک کر کہا۔ ابھی مت اٹھئے۔ آپکو آرام کی ضرورت ہے۔

"مجھے نہیں چاہئے آرام۔ پکھراج زبردستی اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں ایک ادھیڑ عمر عورت

داخل ہوئی۔ پکھراج نے اسے نمسکار کیا۔

"یہ میری ماتا جی ہیں "نوجوان نے تعارف کرایا۔

"دلیٹی رہو بیٹی! تم کو آرام کی ضرورت ہے مالکہ مکان نے پکھراج کے قریب جا کرا سے سینے سے لگالیا۔ لیٹ جاؤ بیٹی!

پکھراج بغیر کوئی جواب دیئے بستر پر لیٹ گئی۔ مالکہ مکان بولی ایک بیٹا تھا۔ بیٹی کی کمی تھی سو وہ تم سے پوری ہو گئی جب سے تمکو دیکھا ہے جی چاہتا ہے کہ کلیجے میں بیٹھالوں۔ آج سے تم مجھے اپنی ماں سمجھو بیٹی! وہ سر پر ہاتھ پھیر کر مسکراتی ہوئی بولی۔ تمہارا نام؟

"پکھراج !وہ آہستہ سے بولی

بہت ہی پیارا نام ہے اور میرے بیٹے کا نام ہے رام سروپ اسکے باپ گنیش سروپ یہاں کے زمیندار ہیں اور میں کالیکا وہ ہنس پڑی

پکھراج کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لہرا اٹھی۔ تم اس گھر کو اپنا گھر سمجھکر رہو۔ کسی قسم کی چنتا کرنیکی ضرورت نہیں رام کے علاوہ اور بھی دوسرے نوکروں سے تم کام لے سکتی ہو۔

"کسی کی کیا ضرورت ہے ممی! میں اکیلے ہی ان کی سیوا کے لئے کافی ہوں۔

رام سروپ نے کہا۔

ماں ہنس کر وہاں سے چلی گئی۔



جب پکھراج کی منگنی توڑی گئی تھی تو پریم اپنی نانہال گیا ہوا تھا۔ اس منگنی کو توڑ نے کے لئے ہی ماں نے اسے اپنے میکے بھیجوا دیا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو ماں نے پکھراج سے منگنی توڑنے کے بارے میں ساری باتیں اسے بتائیں۔ وہ سخت ناراض ہوا کہ کیوں منگنی توڑی گئی پکھراج چاہے جو کچھ بھی ہو وہ اسکے سوا کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کریگا اس کے بعد وہ شیلا دیوی سے ملنے گیا۔

پریم اسٹیشن پر اترا اور وہی گاڑی بے کس و بے بس اور دکھی پکھراج کو اپنی گود میں بیٹھا کر آگے کی طرف بڑھ گئی۔ دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو نہیں

دیکھا۔

پریم جب شیلا دیوی کے گھر پہنچا تو سب لوگ غافل سو رہے تھے اس کے آنے پر سب اٹھ بیٹھے اور آپس میں پکھراج اور شادی کے متعلق بات چیت ہونے لگی۔ جب بہت دیر تک ان لوگوں نے پکھراج کی آہٹ نہ پائی تو اسے کمرے میں دیکھا۔ وہاں نہ پا کر سارے گھر میں ڈھونڈا کہیں بھی اسکا پتہ نہ تھا۔ تب تو سب لوگ پریشان ہو گئے اسوقت شیلا دیوی کے تکئے کے نیچے سے پکھراج کا لکھا ہوا خط برامد ہوا۔ خط پڑھکر وہ سب ایسا روئے کہ جیسے گھر سے پکھراج کی لاش گئی ہو۔ پریم کو بھی انتہائی صدمہ ہوا وہ اسے تلاش کرنے کا وعدہ کر کے اسی وقت گھر سے نکل گیا۔



پکھراج نے اپنے حالات سے ہٹ کر کچھ دوسرے ہی واقعات رام کی ماں سے بیان کئے۔ جس کے سننے سے اسے بڑی ہمدردی پیدا ہوئی۔ ماں باپ اور بیٹے کا منشا تھا کہ وہ گھر کی بہو بننا قبول کر لے۔

ایک دن کالیکا نے اپنی خواہش کا اظہار اس کے سامنے کیا۔ پکھراج کو پریم سے کئے ہوئے پیمان یاد آئے وہ اس رشتے کے بارے میں پس و پیش کرنے لگی۔ لیکن جب گھر والوں کا جبر حد سے بڑھ گیا تو اس نے شیلا دیوی کو رانی کالیکا کی خواہش کے بارے میں لکھا اور ساتھ ہی درخواست کی کہ وہ کچھ دنوں کیلئے چلی آئے۔

شیلا دیوی کو پکھراج کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اسکے بچوں نے بھی خط پڑھا۔ شیلا دیوی نے سفر کی تیاریاں شروع کیں اور دوسرے دن کی گاڑی سے رانی کالیکا کے گاؤں میں پہونچی۔ جب شیلا دیوی پکھراج سے ملی تو اس نے بتایا کہ رانی کالیکا ضروری کام سے باہر گئی ہوئی ہیں۔ راجہ گنیش سروپ رام اور پکھراج نے اسکا سواگت کیا۔

سفر کی تھکان دور ہونیکے بعد پکھراج نے رام کی نسبت کے بارے میں شیلا دیوی سے گفتگو کی اس نے اجازت دی کہ وہ بلا چوں و چرا اس رشتے کو قبول کر لے۔ کیونکہ اس سے بہتر رشتہ پھر اسے کبھی مل نہ سکے گا۔

پریم کے بارے میں اس نے کچھ پوچھا بھی مگر شیلا دیوی نے کہا کہ وہاں پر رشتہ

کرنیکا خیال دل سے نکال دے اس لئے کہ یہ بات ان ہونی ہے اور وہاں رشتہ ہونے سے بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے کہ لڑکے کی ماں اس کے خلاف ہے۔

راجہ گنیش سروپ کے استفسار پر شیلا دیوی نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور پھر واپسی کی اجازت مانگی۔ ان لوگوں نے رانی کی واپسی تک ٹھہرنے کے لئے کہا تو وہ بولی کہ سنیل کی دلھن کے وضع حمل کے دن قریب ہیں۔ اس لئے اسکا جانا بہت ضروری ہے البتہ وہ شادی میں ضرور شریک ہوگی۔

شیلا دیوی اسٹیشن تک پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ رانی کالیکا اپنی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ اسے شیلا دیوی سے نہ ملنے کا بہت افسوس ہوا۔ اسنے اپنی اور راجہ کی فوٹو کا وہ نیا فریم بنایا جو ٹوٹ جانے کی وجہ سے نئے چوکھٹے میں لگایا گیا تھا۔ اسی فریم کی تیاری کیلیے وہ باہر گئی تھی۔

دوسرے دن راجہ رانی نے ملکر رام اور پکھراج کی بڑے دھوم دھام کے ساتھ منگنی کی۔



شادی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ عزیز و اقارب اور دوست احباب کو خطوط بھیجے گئے۔ کارڈ تقسیم کیے گئے شیلا دیوی کو تاکیداً لکھا گیا کہ وہ شادی سے ایک ہفتہ پہلے ہی معہ بال بچوں کے پہونچ جائے۔ اس شادی میں سارا بائی اور پریم بھی آئے۔ سارا بائی رانی کالیکا کی سہیلی تھی اور پریم رام کا دوست ان لوگوں کو دیکھکر پکھراج کانپ اٹھی پریشان ہو گئی۔ دل بھر آیا۔ سارا بائی کو بھی دلھن کے دیکھنے سے بہت حیرت ہوئی مگر وہ بالکل چپ رہی پریم کو اس شادی کا انتہائی دکھ تھا۔ مگر ایک طرف دوست کی خاطر تھی اور دوسری طرف پکھراج کا سکھ۔ اسنے ماں کو بتا دیا کہ وہ یہاں کسی قسم کی گفتگو نہ کرے۔ اور خود بھی صبر کا پتھر دل پر رکھکر شادی کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

شادی کی رسمیں شروع ہو گئیں۔ مگر شیلا دیوی کا پتہ نہ تھا۔ رانی کالیکا ناراض ہو رہی تھی کہ دونوں طرف کی رسمیں بھی مجھے ہی کرنی پڑ رہی ہیں۔ کیا میں ہی دولھا دلھن دونوں کی ماں ہوں۔ وہ ایک ایک سے یہی کہتی پھر رہی تھی۔

دولھا دلھن لگن منڈپ میں بھیجے گئے۔ مگر ابھی تک شیلا دیوی کا پتہ نہ تھا۔ پکھراج کو اس کا انتہائی دکھ تھا۔ اسکے زخموں پر تو نمک پاشی ہو رہی تھی۔ پریم جو اسے جان کے برابر پیارا تھا۔ اسوقت بالکل خاموش تھا۔ ایسا کہ جیسے اسے جانتا پہچانتا نہ ہو۔ اور پھر باوجود ناراضی کے اس کی شادی ایک اجنبی نوجوان رام کے ساتھ ہو رہی تھی۔ اور ابتک شیلا دیوی بھی شادی میں شریک ہونیکے لئے نہیں آئی تھی۔ اسکے آنسو گھونگھٹ سے ٹکرا کر گود میں کرنے لگے۔ اسی وقت دھوم مچی کہ دلھن کی ماں معہ بال بچوں کے آتی ہے۔ دیر ہونے کی وجہہ یہ بتائی گئی کہ گاڑی راستے میں کسی وجہہ کئی گھنٹے رک گئی تھی۔

شیلا دیوی بچوں کو لیکر سیدھی لگن منڈپ کے پاس گئی۔ اسنے رام کی بلائیں لیں۔ پکھراج کو سینے سے لگایا اور دولھا کی ماں سے ملنے کیلئے اٹھی۔ راستے میں اسے سارا بائی مل گئی۔ اسنے ایک کونے میں لیجا کر اس سے التجا کی کہ وہ پکھراج کے راز کو یہاں کسی پر ظاہر نہ کرے۔

سارا بائی نے اسے تسلی دی کہ وہ ہرگز ایسا نہ کرے گی۔ ایک تو یہ کہ اسکا ایسا نیچ خیال نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ پریم نے بھی اسے منع کر دیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اسے اپنی بہو بنانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر یہ ضرور چاہتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی گھر کی بہو ضرور بن جائے۔ اس گمنامی کے عیب کے سوا کوئی نقص بھی تو اس میں نہیں ہے۔ شیلا دیوی کی تسلی ہو گئی اسنے اپنے خوشی کے آنسو آنچل میں جذب کر لئے۔

اوپر کوٹھے پر سے آواز آئی۔ کیا ابھی نہیں آئیں دلھن کی ماں!

اور ساتھ ہی ایک عورت قیمتی کپڑوں اور زیوارت میں لدی ہوئی ان دونوں کے پاس آئی۔ سارا بائی نے تعارف کرایا۔

"یہ ہیں تمہاری سمدھن۔ دلھن کی ماں شیلا دیوی۔ وہ ہنسنے لگی یہ رانی کالیکا ہیں رام سروپ کی ماتاجی اور گنیشن سروپ کی پتنی۔ یہاں کی رانی

شیلا دیوی دم بخود ہو کر کھڑی رہ گئی۔ اور دوسری طرف رانی کالیکا کا بھی یہی حال تھا۔ دونوں کے دماغ ۲۲ سال پہلے کے واقعات یاد کرنے لگے۔

شیلا دیوی کے بچے کو مر کر ایک ہفتہ ہوا تھا۔ زچہ خانے کے دروازے کے پاس

ایک نوزائیدہ بچے کے رونے کی مسلسل آوازیں۔ان آوازوں پر شیلا دیوی کا بے چین ہو کر دروازہ کھولنا۔اسکے سامنے ایک حسین اور نوجوان عورت کا آنچل سے ڈھنکا ہوا سر اور کھلا ہوا چہرہ۔ہاتھوں میں ایک چھوٹی سی گھٹڑی۔ اور شیلا دیوی کے دروازہ کھولتے ہی اسکا بچی کو شیلا دیوی کی طرف بڑھانا اور آہستہ سے کہنا کہ ”اسے بیٹی بنا کر میری عزت بچایئے !۔ کیونکہ میں ایک بہت بڑے خاندان کی ممبر ہوں اور یہ بچی میری غلطی کا نتیجہ ہے۔اور ساتھ ہی اس کے رخساروں پر آنسوؤں کی بارش شیلا دیوی کا بچی کو لیکر زچہ خانے میں واپس جانا اور پھر اس عورت کا لاپتہ ہو جانا اور آج! آج وہی عورت! بالکل وہی عورت رانی کالیکا جیسی عورت آج بائیس سال کے بعد اسکے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔

”تم۔تم۔۔۔۔شیلا دیوی ہکلانے لگی

”اور تم؟ رانی کالیکا نے انگلی سے شیلا دیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔۔تم وہی ہو۔ ہاں؟

”ہاں ہاں میں وہی ہوں۔شیلا دیوی نے جواب دیا۔ سارا دیوی اور چند مہمان ان کی باتوں کو حیرت سے سن رہے تھے۔رانی کالیکا شیلا دیوی کو کوٹھے پر لے گئی۔وہاں ان دونوں میں بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں اسکے بعد شیلا دیوی دوڑتی ہوئی لگن منڈپ کے پاس جا کر بولی۔

” یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ہرگز نہیں ہو سکتی۔روکو! منتر بند کروں پنڈت! منتر بند کرو! بھگوان کے لئے بند کر دو بند کر دو! یہ شادی کبھی بھی نہیں ہو سکتی۔

رانی کالیکا کو یہاں آکر بتانا پڑے گا کہ یہ شادی کیوں نہیں ہو سکتی۔شادی کے سارے مہمان شیلا دیوی کی باتوں پر حیرت کر رہے تھے اور ہر ایک کی نگاہیں اور زبانیں یہی پوچھ رہی تھیں کہ کس لئے یہ شادی نہیں ہو سکتی۔راجہ گنیش سروپ پوچھ رہا تھا کہ آخر یہ شادی کیوں نہیں ہو گی۔رام انتہائی جوش کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ یہ شادی ہو گی اور ضرور ہو گی ۔وہ براہمنوں کو منتر پڑھنے کے لئے مجبور کر رہا تھا پکھراج کو اس شادی کے ملتوی ہو جانے کی انتہائی حیرت تھی اور وہ دعا کر رہی تھی کہ یہ شادی ہرگز نہ ہونے پائے گھونگھٹ کے اندر سے وہ بھی باہر والوں کی حالت دیکھ رہی اور باتیں سن رہی تھی۔پریم کو بھی شادی کے ملتوی ہونے کی کیفیت سنکر بہت خوشی ہو رہی تھی۔مگر اس کی ماں کو بہت

تعجب تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ یہاں تو یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ادھر رانی کالیکا تنہا کرسی پر بیٹھی بہت دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے شادی کے رکوانے کی خبر بھی سنی وہ بھاری قدموں کے ساتھ لگن منڈپ کے پاس گئی۔اس نے ایک مرتبہ چاروں طرف دیکھا سامنے اسکا شوہر راجہ گنیش سروپ اور اسکے ساتھ بہت سارے مہمان کھڑے ہوئے تھے۔دوسری طرف دلھن سے لپٹی ہوئی شیلا دیوی تھی۔ جسکے قریب ساری عورتیں تھیں ۔کالیکا نے باخوف وخطر دل کو مضبوط کر کے کہا۔رام اور پکھراج سگے بھائی بہن ہیں۔اس لئے یہ شادی نہیں ہوگی۔اور۔۔۔ میں۔۔۔ان دونوں کی ماں ہوں۔اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ساری محفل پر سناٹا چھا گیا۔ گنیشن سروپ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اپنے ہی مقام پر کھڑا رہا ذرا بھی جنبش نہیں کی البتہ رام پھول وغیرہ پھینک کر لگن منڈپ سے باہر نکلا اور پکھراج گھونگھٹ ہٹا کر کھڑی ہو گئی۔سارے مہمان بھی کھڑے ہو گئے۔اور سب انگشت بدنداں تھے۔رانی کالیکا منہ پر ہاتھ رکھے بالا خانے کی طرف مڑی ۔مگر اسے غش آگیا اور وہ بالا خانے تک پہونچنے سے پہلے ہی چکرا کر قالین کے فرش پر گر پڑی رام دوڑ کر آیا۔اس نے ماں کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا گنیش سروپ بھی قریب آیا شیلا دیوی بھی قریب آکر بیٹھ گئی۔رانی کالیکا نے آنکھیں کھولکر کہا۔پکھراج کو بلاؤ!فوراً ہی پکھراج قریب آئی۔رانی نے اسکو اپنے سینے سے لپٹا کر کہا۔

"میں کیسی بدنصیب ماں ہوں بیٹی کہ تمہیں خوشیاں نہ دے سکی۔اپنی مامتا نہ دے سکی وہ سانس لینے کے لئے رکی۔ مہمان سب ان کی باتیں سننے کے لئے قریب آگئے تھے ۔رانی نے کہا

"میں نے تمہیں اپنی عزت پر بھینٹ چڑھا دیا۔اور تمہاری آئندہ زندگی کا کوئی خیال نہیں کیا ۔میں کیا کروں مجبور تھی۔خاندان سے سماج سے اور پھر تمہارے باپ نے مجھے سخت دھوکہ دیا۔اسکی سانس پھولنے لگی۔ مجھے معاف کر دو میری بچی!کالیکا کے آنسو رخساروں پر برسنے لگے۔ساتھ میں رام پکھراج اور دوسرے مہمان بھی آبدیدہ ہوئے۔میرے بعد نہ جانے تمہارا کیا حشر ہوگا میری بچی!کالیکا نے راجہ کو قریب بلا کر اسکے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا۔مجھے معاف کر دیجئے!میں نے آپکو دھوکہ دیا ہے۔اتنے میں ڈاکٹر آیا۔اسنے مہمانوں سے وہ جگہ

خالی کروائی۔ اسوقت صرف گنیش سروپ رام' پریم' پکھراج۔ شیلا دیوی اور سارادیوی ہی وہاں موجود تھی۔ ڈاکٹر نے ان کو بتایا کہ رانی نے زہر کھالیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ کوشش کرے گا ڈاکٹر نے کالیکا کو انجکشن دیا۔ راجہ نے رانی سے کہا۔

"کالیکا۔ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ تمہارے ہی میکے کی ایک داسی نے مجھے بتایا تھا کہ تم ایک بچی کی ماں بن چکی ہو اور اپنا عیب چھپانے کیلئے تم اس بچی کو کسی کو دے چکی ہو لیکن میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ اس لئے کہ تم میری بیوی بن چکی تھیں۔ اور پھر مجھے تم سے ایسی غیر معمولی محبت ہو گئی کہ کبھی اس واقع کو تمہارے سامنے دھرا کر تمہارا دل دکھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور میں نے تم کو کبھی کا معاف کر دیا تھا کالی! تمنے زہر کیوں کھایا۔" آپ سب کی عزت بچانے کے لئے۔ میں آپ سبکے دامنوں پر ایک زبردست کلنک ہوں میرے سوامی! وہ رونے لگی۔ اس نے شیلا دیوی کو قریب بلا کر کہا۔

"تم ہی پکھراج کی ماں تھیں اور اب بھی ہو بہن! میں اسے پھر تمہارے حوالے کر کے جا رہی ہوں۔ کوئی اچھا لڑکا دیکھکر اسکی شادی کر دینا میری اچھی بہن۔ تاکہ اسکی زندگی برباد نہ ہونے پائے سارا بائی نے آگے بڑھکر پکھراج کو سینے سے لگا کر کالیکا سے کہا۔

" بہن تم دکھی نہ ہو! میں بناؤں گی اسے اپنی بہو! یہ تو نردوش ہے اور گنگا جل میں دھلے ہوئے کنول کے پھول کی طرح پوتر ہے۔ بہن کالیکا کی آنکھوں سے خوشی کی برکھا برسنے لگی۔ اسنے پریم کو قریب بلا کر سارا بائی سے کہا۔ یہیں میرے سامنے وعدہ کرو تو میری جان آسانی سے نکلے۔ سارا بائی نے پکھراج کا ہاتھ پریم کے ہاتھ میں دے کر کہا بیٹا! یہ آج سے تمہاری دلھن ہے اور ابھی ابھی تمہاری شادی اس سے ہو گی۔

کالیکا بولی۔ مہورت کا وقت نکل جائیگا بہن! جاؤ پریم اور پکھراج کو لگن منڈپ میں لے جاؤ! اگر طبعیت ٹھیک ہو جائیگی تو میں بھی آجاؤ نگی۔ رام تم بھی اپنی بھیجی کے ساتھ جاؤ! جاؤ تم کنیادان کی رسم ادا کرو میرے لعل! یہاں آؤ ذرا! اس نے بیٹے کو سینے سے لگا کر اسکی بلائیں لیں پیار کیا۔ پھر پکھراج کو لپٹا کر اسے بھی بہت سے پیار لئے۔ بھگوان تم دونوں بھائی بہن کی جوڑی بنائے رکھے تم دونوں سدا سکھی رہو! اب جاؤ رام بہن کو لے جاو مہورت کا سمے نکل جائیگا۔

سب چلے گئے۔ صرف راجہ اور رانی رہ گئے ادھر پریم کو پکھراج کے ساتھ لگن منڈپ میں دیکھکر سارے مہمان حیرت بھی کر رہے تھے اور خوش بھی ہو رہے تھے شادی کے منتر پڑھے جانے لگے۔ اس وقت رانی کالیکا نے اپنے چاہنے والے شوہر کے قدموں پر سر رکھکر اپنی جان پیدا کرنے والے کے حوالے کی۔ اسی وقت لگن منڈپ کے اندر پریم اور پکھراج کے بیاہ کے سات پھیرے بھی ختم ہو گئے۔



(ناولٹ)

نوری

ایک سعادت مند لڑکی کے ایثار کی داستان

جوبلی ہلز حیدر آباد کی شاندار عمارتوں میں سے ایک عمارت کی عالیشان نشستگاہ میں ایک جاذب نظر خوبصورت جوان لڑکی بیٹھی کچھ پڑھ رہی ہے اور بار بار نظریں اٹھا کر دروازے کی جانب دیکھ بھی رہی ہے موٹر کی آواز پر اسنے اپنا پڑھنا بند کیا اور کتاب سامنے ٹیبل پر رکدھی اور اٹھکر دروازے کے پاس گئی۔

موٹر رکی اور ایک نوجوان اپنا کالا چشمہ آنکھوں پر سے اتار کر مسکراتا ہوا لڑکی کی طرف بڑھا "ہلو نوری! اچھی تو ہیں! اس نے لڑکی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

نوری نے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے چھڑا کر تین انگلیوں کو پیشانی تک لیجا کر اسے سلام کیا نوجوان ہنستا ہوا نوری کے ساتھ نشستگاہ میں داخل ہوا" تمہارے ابا کہاں ہیں۔

"جس دن آپکا خط آیا تھا اسکے دوسرے دن وہ ایک ضروری کام کے لئے ورنگل چلے گئے اور جاتے ہوئے کہہ کر گئے کہ مہمان کی تواضع میں کمی نہ کی جائے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو دیکھکر بہت خوش ہونگے۔ میری زبانی آپکی باتیں سنکر بہت خوش ہوتے ہیں وہ نوری سر جھکا کر مسکرائی۔

"میری امی اور ابا بھی تمکو دیکھنے کے لئے بہت بے چین ہیں ہمارے نوکر نے یہاں مانصاحب ٹینک پر ایک مکان کرائے پر لے لیا ہے۔ بہت جلد وہ دونوں آجائیں گے۔

"آپ نے کہا تھا کہ آپ کا اپنا یہاں ذاتی مکان ہے؟

"ہاں ہے تو مگر اسمیں سرکاری دفتر ہے جسکا ماہانہ کرایہ ایک ہزار روپے آتا ہے اسلئے ابا اس مکان کو خالی کروانا نہیں چاہتے۔"

" میرے بابا بھی یہی کہتے ہیں جو آپ کے ابا نے کہا۔ بابا کہتے ہیں کہ یہیں حیدر آباد کے اندر انکا ایک شاندار بنگلہ ہے جسے انھوں نے کرائے پر دے رکھا ہے اس بنگلہ میں بہت سے

کرایہ دار رہتے ہیں۔ کرایہ بھی شاید ہزار دو ہزار روپے آتا ہے۔ آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

ایک ہوٹل میں نوجوان مسکرایا۔

''ٹھکانہ ہوٹل میں رکھیئے کھانا وغیرہ یہاں کھایئے!

''اگر رات دن یہیں رہ جاؤں تو کیا برا ہے؟ نوجوان ہنس پڑا

''وہ باباکے آنے کے بعد آپ یہاں رہ سکتے ہیں۔ انھوں نے صرف کھانے پینے کی حد تک اجازت دی ہے۔

''اچھی بات ہے جو حکم حضور۔ نوجوان مسکرایا۔

نوری اسے کھانے کے کمرے میں لے گئی جہاں مختلف قسم کے پکوان میز پر چنے ہوئے تھے نوکر انکا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں کھانے کے لئے بیٹھے۔ دونوں کھانے کے بعد نشستگاہ میں آگئے اور شام تک اپنے قیام لندن کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ کیونکہ دونوں نے تعلیم کی خاطر اپنا ایک سال وہاں گزارا تھا۔ اور وہیں پر حیدر آبادی ہونیکی وجہ سے ان دونوں میں بہت دوستی ہوگئی اور یہ دوستی بڑھتے بڑھتے اتنی پائدار ہوگئی کہ دونوں ایک دوسرے کے شریک زندگی بننے کے لئے تیار ہوگئے۔ لڑکے کے والد نے خوشی سے اپنے اکلوتے لڑکے کو شادی کی اجازت دیدی۔ نوری نے ابھی تک یہ حال اپنے باپ کو نہیں بتایا تھا۔ لیکن نوجوان افروز کی تعریف باپ کے سامنے ہر وقت کیا کرتی۔ اسکا باپ بیرسٹر سر فراز احمد بھی بیٹی کے دل کی بے چینی سے واقف ہوگیا تھا۔ اس لئے اس نے لڑکے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی مگر عین وقت پر ایک مقدمے کی وجہ سے اسے ورنگل جانا پڑا۔ نوری کو پوری پوری امید تھی کہ اسکا باپ اسکے انتخاب کی داد دے گا اور خوشی خوشی شادی کی اجازت بھی دیدے گا۔ افروز رات کو ہوٹل میں رہتا اور دن کو کھانے کے لئے نوری کے پاس آجاتا اور کھا پی کر دونوں اپنے قیام لندن کے یادوں میں کھو جاتے۔

ایک ہفتہ گزرا نوری کا باپ سر فراز احمد گھر واپس ہوا وہ انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ افروز سے ملا۔ جس سے دونوں کو پوری پوری امید ہوگئی کہ وہ ضرور اس رشتے کو قبول کریگا۔

سرفراز احمد کی آمد کا دوسرا دن تھا۔افروز چائے کے وقت پر آگیا چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر سرفراز احمد نے اس سے پوچھا۔

"اچھا تو بیٹا ابتک تم کہاں رہتے تھے؟

"جی اورنگ آباد میں

"تمہارے والد کیا کام کرتے ہیں

"وکالت کرتے ہیں۔افروز بولا

"اب تمہاری ملازمت کی خاطر وہ یہاں آنا چاہتے ہیں

"جی ہاں۔صرف میں ایک ہی انکالڑ کا ہوں۔اس لئے وہ مجھے چھوڑ کر نہیں رہ سکتے

"مکان کہاں لیا ہے کرایہ پر؟

"مانصاحب ٹینک پر

"کیا تمہارے والدین آگئے؟

"جی نہیں اس ہفتے کے آخر تک آجائیں گے

"مجھے ان سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے

"امی اور ابا نے کہا ہے کہ وہ یہاں آنے کے ساتھ ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہونگے۔

سرفراز احمد ہنسنے لگا۔اچھی بات ہے' اچھی بات ہے۔ بڑی خوشی ہوگی مجھے ان سے مل کے۔

افروز مسکرایا۔پردے کے پیچھے کھڑی ہوئی نوری بھی مسکرائی۔

بہت دیر تک سوچنے کے بعد سرفراز احمد بولا۔اورنگ آباد۔اورنگ آباد میں رہتے تھے تم لوگ؟ کیا تم ــــ کیا تم اس بیرسٹر کو جانتے ہو؟

"جی کون سے؟

"عامر منزل بنجارہ ہلز کے وحید مرزا کو۔وہ بھی اورنگ آباد میں رہتا ہے۔یہ کہتے وقت سرفراز احمد کا چہرہ سرخ ہوگیا۔اسکے ہونٹ کانپنے لگے ۔افروز بیرسٹر سرفراز احمد کے چہرے کی تبدیلی دیکھ کر پریشان ہوگیا۔

"آپ جانتے ہیں انکو؟افروز نے پریشانی کے ساتھ پوچھا

"میں اس زہریلے ناگ کو اچھی طرح سے جانتا ہوں

"زہریلا ناگ ؟افروز نے اس جملے کو دہرایا۔

"زہریلا ناگ

"لیکن وہ تو بہت ہی نیک اور خدارسیدہ بزرگ ہیں

" ہوگا اب مگر میرے لئے تو وہ زہریلا ناگ ہے۔

"کیا برائی کی انھوں نے آپ سے ؟افروز نے ڈرتے ڈرتے پوچھا

"وہ میری عزت کا دشمن ہے۔وہ اور اسکی بیوی دونوں پستول سے اڑا دینے کے قابل ہیں۔

بیرسٹر کے منہ سے غصے کے مارے کف نکلنے لگا۔اسکا سارا جسم پسینے میں شرابور ہوگیا ۔وہ نڈھال ہوکر صوفے پر گر پڑا۔ آہستہ سے اسکے منہ سے آواز نکلی نوری! نوری! اور نوری رات کے کھانے کے لئے نوکروں کو حکم دیرہی تھی۔

افروز یہ حال دیکھ کر پریشان ہوگیا۔وہ نوری کو بلانے کے لئے اندر گیا اور اسکے ساتھ ہی نوری باپ کے پاس تھی ۔نوری نے ٹھنڈے پانی سے باپ کا چہرہ پونچھا اندر سے دوا لاکر پلائی اور بجلی کا پنکھا کھولدیا۔

جو باتیں نوری نے نہیں سنی تھیں۔وہ افروز نے اسے سنائیں۔وہ بولی

"عامر منزل بنجارہ ہلز اور بیرسٹر وحید مراز اور اسکی بیوی کو ابا ہمیشہ انتہائی نفرت وحقارت کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔میرا خیال ہے کہ ان کو ان لوگوں کی طرف سے کوئی زبردست تکلیف پہونچی ہے۔اور جب بھی انکا ذکر نکلتا ہے انکی یہی حالت ہوتی ہے۔مجھے بھی اگر کہیں یہ لوگ مل جائیں تو وہ وہ سناؤں کہ زندہ زمین میں گڑ جائیں۔نوری بھی انتہای نفرت وحقارت اور غصے کے ساتھ بولی افروز نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا۔

"یہ کیا؟ یہ کیا؟ آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں

"نوری یہ نہ پوچھو خدا کے لئے! ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں سکینگے نوری وہ رو پڑا

"کیوں کیوں؟ کیا بات ہے۔کچھ تو کہیے۔

"پھر کبھی بتاؤنگا۔اب گھر جاکر مجھے اپنے ارمانوں کا ماتم کرنے دو نوری' افروز نے نوری کے دونوں ہاتھ اپنی آنسو بھری آنکھوں پر رکھکر انھیں ترکردیا۔

"آپ کیوں ناحق متاثر ہورہے ہیں۔آپکا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے؟

''بہت ہی قریبی تعلق ہے نوری!

''کیسا تعلق؟نوری پریشان ہو گئی۔

''اگر حقیقت معلوم ہو گئی تو شاید تمہارے والد مجھ ُں دروازے پر دوبارہ قدم نہ رکھنے دینگے۔افروز نے نوری کے ہاتھ اپنی آنکھوں پر سے ہٹائے۔

نوری!سچ کہو تم تو ناراض نہ ہو گی؟

''کبھی نہیں ہر گز نہیں

''تو سنو!وحید مراز میرے والد ہیں

''سچ۔نوری حیرت سے چلائی۔

''ہاں۔کیا مجھ سے ناراض ہو گئیں نوری!افروز نے لجاجت سے سوال کیا۔

''نہیں تو۔لیکن یہ بھی تو معلوم ہونا چاہئیے کہ ابا کو ان لوگوں سے اتنی نفرت کیوں ہے؟ ہاں مگر سنئیے!آپ ابھی یہ ظاہر نہ کیجئے کہ آپ ان کے لڑکے ہیں اور نہ تو اپنے والدین کو یہاں لانے کی کوشش کیجئے!آپکا معاملہ پردے ہی میں رہے تو بہتر ہے نوری بولی۔

میرا خیال ہے کہ میرے والدین کو بھی تمہارے ابا کا نام معلوم ہو گیا تو اس رشتے کو منظو نہ کرینگے۔افروز نے کہا۔

''اس معاملے کو ان سے بھی چھپائیے!

''کوشش کرونگا مگر امید بہت کم ہے نوری!

''خدا سے امید رکھئیے!

نوری!باپ کی آواز پر پردے سے باہر نکلی۔اسوت سر فراز احمد کی حالت کسی قدر ٹھیک تھی، وہ افروز کہاں ہے۔

''جی وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔نوری جھوٹ بولی۔حالانکہ وہ پردے کے پیچھے تھا۔

''بلالو اسے بھی یہیں!

''پردے کے پیچھے چھپے ہوئے افروز کو نوری باپ کے پاس لے آئی۔سر فراز احمد بولا

''میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے اس لئے بہت دنوں سے کہیں تفریح کے لئے جانا چاہتا تھا۔ تم بھی چلو گے میرے ساتھ۔لیکن شاید تمہاری تو نئی نئی ملازمت ہے۔

"ایک دو دن کی رخصت لے سکتا ہوں میں۔

"تو ہمکو تم دونوں بتاؤ کہ کہاں چلیں۔ تفریح ایسی رہے کہ تنہائی بھی ہو اور دل بھی بہلے۔ مجھے زیادہ شور و غل پسند نہیں۔

افروز اور نوری ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ نوری بولی "ہم تو کوئی ایسا مقام نہیں جانتے۔ آپ ہی بتائے بابا

"جی ہاں میری بھی یہی گذارش ہے

سر فراز احمد سوچنے لگا۔ ہاں تمہارے والدین جو آرہے ہیں تم کیسے ہمارے ساتھ جا سکتے ہیں۔

"جی میں انکو لکھدونگا کہ کچھ دن اور اورنگ آباد میں رک جائیں۔

"کہیں وہ ناراض نہ ہوں۔ اس سوال پر نوری نے افروز کی طرف دیکھا۔

وہ بولا جی نہیں وہ ہرگز ناراض نہ ہونگے۔ آپ اطمینان رکھیں

"میں نے تفریح کے لئے دو مقام انتخاب کئے ہیں ایک تو راماپا اور دوسرے پاکھال راماپا کی سیر کر کے ہم پاکھال کے بنگلے میں قیام کرینگے۔

افروز نے نوری کی آنکھوں میں دیکھا۔ اسنے پوچھا تو کب چلینگے بابا؟

"آج تو شام ہو گئی۔ کل ایک ویان کا انتظام کر کے چلے چلینگے۔ تم نوکروں سے کہو کہ جانیکا انتظام کریں افروز کیا جا رہے ہو ؟

"جو آپکا حکم ہو بجالاؤں۔

"اب کہاں جاوگے۔ سر فراز احمد مسکرایا۔ رات کا کھانا کھا کر جانا۔

افروز اور نوری ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے ان دونوں کی حرکتوں پر سر فراز احمد بھی مسکرا کر باہر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔



دوسرے دن ویان کا انتظام ہو گیا اور رات کے دو بجے سر فراز احمد نے نوری افروز اور نوکروں کو ساتھ لیکر ورنگل کا رخ کیا۔ صبح کا ناشتہ قاضی پیٹ کے ڈاک بنگلے میں کیا اسکے بعد ویان راماپا کی طرف روانہ ہوئی۔ وہاں تالاب وغیرہ کی تفریح اور دوپہر کے

کھانے سے فارغ ہو کر شام کی چائے پی کر یہ قافلہ پاکھال کی طرف چلا اور تقریباً رات کے ۱۰ بجے یہ سب پاکھال کے مسافر بنگلے پر پہونچے۔ سرفراز احمد نے موکلوں کو پہلے ہی اطلاع دیدی تھی سب اسکا انتظار کر رہے تھے۔

رات کو کھا پی کر سب سوگئے۔ دوسرے دن صبح سویرے ہی تالاب کی سیر کو نکلے اور دوپہر کے کھانے تک سب واپس آ گئے۔ کھانے کے بعد کچھ دیر آرام لیا۔ شام کی چائے اور رات کا کھانا کھا کر سب مسلسل تکان کو دور کرنے کے لئے جلد ہی سوگئے۔

تیسرے دن تکان کی وجہ سے بنگلے ہی میں رہے۔ ناشتے کے بعد سرفراز احمد افروز اور نوری کو ساتھ لیکر تالاب کے کنارے جا بیٹھا۔ وہ بولا۔

"وہ جو ذرا سی خشکی تم لوگ دیکھ رہے ہو۔ کہتے ہیں کہ اس پر پانی کبھی نہیں جاتا اتنا سا حصہ ہمیشہ پانی سے باہر رہتا ہے۔

"جی۔ نوری بولی

سرفراز احمد چھوٹی چھوٹی کنکریاں اٹھا کر پانی میں پھینکنے لگا۔ میں تم دونوں سے ایک سوال کرتا ہوں۔ دونوں ہمہ تن متوجہ ہوئے۔ سرفراز احمد نے پوچھا۔

" اگر کوئی ہم سے بیوفائی اور غداری کرے تو کیا کرنا چاہئیے۔

"بدلہ لینا چاہئے! نوری جوش کے ساتھ بولی۔

"لیکن معاف کر دینا بہتر ہے۔ افروز نے کہا۔

"مجھے نوری کی رائے سے اتفاق ہے۔ بدلہ لینا چاہئیے۔ سنو بچو! میں تم کو کہیں دور گزری ہوئی ایک کہانی سناتا ہوں۔ لیکن ہاں میں بھول گیا۔ اس کہانی کے کہنے میں نہیں پڑھنے میں لطف آئے گا۔

"کتاب ہے آپکے پاس؟ نوری نے سوال کیا

سرفراز احمد نے کوٹ کی جیب سے ایک کاپی نکال کر بیٹی کو دی اسنے پڑھنا شروع کیا۔ عنوان تھا

کہیں دور

دوسرے صفحے پر لکھا تھا

اسوقت میرے والدین نے اس کے ساتھ میری منگنی کر دی اور جب میں اسے نامپلی اسٹیشن پر چھوڑ کر ممبئی کی ٹرین میں سوار ہوا تو وہ ہچکیاں لیکر رونے لگی۔

میں تین سال لندن میں رہا۔ سال بھر تک برابر اس کے خطوط آتے رہے پھر یکا یک اس کے خطوط بند ہو گئے میں اسکے لئے بہت پریشان ہوا اپنے والدین کو رشتہ داروں کو اور دوست احباب کو اسکے بارے میں لکھا مگر کسی نے اسکا جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے یہ خیال کیا کہ وہ ضرور کسی مرض کا شکار ہو کر اس دنیا کو چھوڑ چکی ہے اس لئے اسکے بارے میں کوئی بھی مجھے جواب نہیں دے رہا ہے۔ اس تصور سے مجھے انتہائی صدمہ ہوا اور اسی صدمے سے میں کئی دن تک بیمار رہا۔ میری حالت کسی قدر بہتر تھی میرے ایک دوست کا خط آیا لکھا تھا تمہاری محبوبہ نے ایک دوسرے نوجوان بیرسٹر سے محبت کے پینگ بڑھانے شروع کر دیئے ہیں۔ جو بالکل نوجوان ہے۔ کہہ نہیں سکتا کہ نتیجہ کیا نکلنے والا ہے۔ یہاں سب اس خبر کو تم تک پہونچانے سے پیچھے ہٹ رہے ہیں کہ نہ معلوم پردیس میں تمہاری کیا حالت ہو جائے مگر میں کہتا ہوں کہ لعنت بھیجو اس بیوفا عورت پر۔ ایسی ہزاروں عورتیں تمہاری جوتیاں صاف کرنے کے لئے مل جائینگی وغیرہ وغیرہ۔ یہ خط پڑھ کر مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ کئی دنوں تک صاحب فراش رہا۔ پھر بتدریج حالت درست ہونے لگی اس بیوفا کے بارے میں سوچا کہ مجھے اس کی خوشامد کرنے کی ضرورت ہے اور نہ عاجزی کرنے کی اسلئے کہ وہ دل جو میری طرف سے پھر چکا ہے لاکھ کوشش پر بھی میرا نہ ہو سکیگا۔ لیکن اس کی بیوفائی اور جدائی کا مجھے انتہائی قلق تھا جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ میں امتحان میں فیل ہو گیا۔ اور تین سال کے بجائے مجھے ایک سال اور رکنا پڑا۔

چار سال بعد جب میں حیدر آباد گیا تو معلوم ہوا کہ اس بیوفا نے شادی کر لی ہے اور اب اورنگ آباد میں ہے۔ افروز دونوں ہاتھوں سے سر تھامے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ نوری بولی بابا!! اگر آپ کہیں تو اندر جا کر پڑھوں دھوپ تیز ہو رہی ہے۔

"چلو سر فراز احمد نے کہا" تینوں تالاب کے کنارے سے اٹھ کر بنگلے کے اندر گئے۔ ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔ ناشتہ کیا اسکے بعد نوری نے داستان شروع کی۔ میں سیدھا اورنگ آباد گیا۔ بہت جلد اسکے مکان کا پتہ مل گیا۔ میں ایک مرتبہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ

اسکا شوہر آجکل گھر میں نہیں ہے تو میں اس سے ملنے گیا وہ مجھے دیکھ کر بہت پریشان ہوئی۔

میں نے اسکا ہاتھ پکڑ کو پوچھا۔

"کہاں گئیں وہ تمہاری قسمیں اور وعدے جو تم مجھ سے کیا کرتی تھیں۔

"میں کیا کروں اپنے والدین سے مجبور ہو گئی ان کے حکم سے مجبور ہو کر مجھے یہ شادی کرنی پڑی

"لیکن تمہاری بہن (میری خالہ کی بہو) نے تو مجھے بتایا کہ والدین کے خلاف مرضی تم نے یہ شادی کی ہے۔؟

افروز اپنی دونوں کہنیاں دریچے میں رکھے سر تھامے باہر جنگل اور تالاب کیطرف دیکھ رہا تھا اس جملے پر کانپ اٹھا مگر اسکی یہ حرکت کسی نے نہ دیکھی۔ نوری پڑھتی رہی۔

اور کوئی بھی اس شادی سے خوش نہیں۔ کیوں تم نے مجھ سے غداری کی ۔ بولو! میں نے اسکے ہاتھ کوز بردست جھٹکا دیا۔

"اف! میں نے جو کچھ بھی کیا اچھا کیا۔ میری مرضی! آپ کو پوچھنے کا کوئی حق نہیں

"تم کو عورت کے بجائے اگر زہریلی ناگن کہا جائے تو بہتر ہے فرزانہ! میں چلایا

"فرزانہ !افروز کے منہ سے ایکدم نکلا اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا نوری چپ ہو گئی۔

"ہوں۔ پڑھو باپ نے کہا نوری پڑھنے لگی

"جو آپکا جی چاہے کہہ لیجئے فرزانہ نے جواب دیا۔

"لیکن میں تمہارے اس بچے کا گلا گھونٹے بغیر یہاں سے نہیں جاؤنگا۔ میں تم سے انتقام لینے آیا ہوں۔ میں غم وغصے سے بے قابو ہو رہا تھا۔

افروز مڑ کر وحشناک نگاہوں سے ایک مرتبہ سر فراز احمد کی طرف دیکھا اور نوری بھی پڑھتے پڑھتے رک گئی۔

"پڑھو! رک کیوں گئیں؟ سر فراز احمد کی آواز گونجی وہ انگشت شہادت اور انگوٹھے سے اپنی کنپٹیاں تھامے ہوئے تھا۔ نوری نے ایک مرتبہ افروز کی طرف دیکھا پھر پڑھنا شروع کیا۔

افروز پھر کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں جھولے کے پاس گیا۔ لیکن اس سے پہلے ہی فرزانہ جھولے کے قریب پہونچی اسنے بچے کو اپنی گود میں چھپالیا۔ میں زبردستی بچہ اس سے چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ چلائی گڑ گڑائی میری عاجزی کرنے لگی۔ خدا کیلئے میرے بچے کو چھوڑ دیجئے! یہ بے گناہ ہے بے قصور ہے۔ اس معصوم کا کوئی قصور نہیں۔ قصوروار تو میں ہوں جس نے آپ سے بیوفائی کی۔ خدا کے لئے میرے معصوم بچے کو نشان انتقام نہ بنایئے۔ وہ بچے کو سینے سے چمٹا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی بچہ بھی اسکے ساتھ رو رہا تھا۔ میں گھر لوٹ گیا مجھے بچے کے رونے نے نرم کردیا۔ میں چلا گیا میں سوچنے لگا کہ فرزانہ سے کیسا انتقام لینا چاہیئے۔ میرے دل میں مختلف قسم کے خیالات آنے لگے کبھی سوچتا کہ وحید مراز کو ختم کردینا چاہیئے۔ کبھی خیال آتا کہ اصلی مجرم تو فرزانہ ہے اسکا کام تمام کردینا چاہیئے۔ کبھی جی چاہتا کہ فرزانہ کے بچے کا گلا اسکے سامنے گھونٹ کر اسے تڑپانا چاہیئے۔ آخر میں میرے دل میں ایک خیال آیا کہ فرزانہ سے ایسا انتقام لینا چاہیئے کہ اسکا زخم اسکے دل میں ناسور بنکر رہ جائے اس خیال کے ساتھ ہی میرے دل کو کسی قدر سکون ملا۔ میں حیدرآباد چلا گیا اور اپنے مکان پہونچا۔

میرے والدین کے سوا سارے رشتہ دار اور دوست احباب بھی میرے لئے متاثر ہو رہے تھے وہ سب مجھے سمجھا رہے تھے کہ اس بیوفا کو بھلا کر کسی شریف لڑکی سے عقد کر کے اپنا گھر آباد کرلوں مگر مجھے فرزانہ سے ایسی محبت تھی کہ باوجود اسکی بیوفائی کے میں دوسری لڑکی سے شادی کرنیکے لئے تیار نہ ہوا۔ مگر انتقام کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ ایک روز میں اسکے والدین کے گھر گیا اس کے والدین سے انکی بیٹی کی بیوفائی کا گلہ کیا ۔وہ چپ چاپ سنتے رہے کیا کہتے اسکی چھوٹی بہن نے مجھے بتایا کہ یہ شادی بالکل اس نے اپنی مرضی سے کی ہے والدین کو اس شادی سے کوئی تعلق نہیں وہ بے قصور ہیں۔ لیکن مجھے تو فرزانہ سے انتقام لینا تھا۔ میں نے اسکی بہن سے فرزانہ کا انتقام لے لیا میں اس کی عصمت ریزی کر کے وہاں سے لاپتہ ہو گیا۔

”اف! افروز کے منہ سے نکلا۔ مگر بہت ہی جلد اس نے میرا پتہ معلوم کرلیا اور میرے پاس آئی جب وہ میرے پاس آئی تو اس کی گود میں ایک چھوٹی سی بچی تھی۔ اس نے اس بچی کو

میرے سامنے ڈالدیا۔

"یہ کس کی بچی ہے؟ میں غصناک ہو کر چلایا۔

"یہ آپکے انتقام کا نتیجہ ہے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ایک بیوفا کے لئے آپنے ایک وفادار کو روند ڈالا بیرسٹر صاحب! وہ اسی طرح روتی رہی۔

"لے جاؤ اسے! مجھے کوئی واسطہ نہیں اس سے؟ میں اسی طرح چلایا۔

"بڑی مشکل سے نو مہینے تک میں نے اپنا یہ داغ چھپایا ہے اور اب دو مہینے سے آپکو یہاں تلاش کر رہی ہوں۔ خدا کے لئے مجھے اور میری بچی کو نہ ٹھکرایئے! اس نے میرے پیر پکڑ لئے۔ مگر فرزانہ کی بیوفائی نے میرا دل اتنا سخت کر دیا تھا کہ میں ذرا بھی نہ پسیجا۔

"لڑکی کو چھوڑ دو! میں اسکی پرورش کرونگا۔ مگر مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ چلی جاؤ یہاں سے نوری پڑھنا چھوڑ کر باپ کی طرف دیکھنے لگی۔ عین اسی وقت افروز نے بھی سرفراز احمد کو دیکھا۔ اور یہ لڑکی بابا؟

" آگے پڑھو! وہ اسی طرح انگشت شہادت اور انگوٹھے سے سر پکڑے کرسی پر بیٹھا تھا۔ افروز پھر کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ نوری پڑھنے لگی۔

"تمہاری واپسی تمہاری بہن کے لیئے زندگی بھر ناسور بنکر رہیگی۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ تمہاری حالت زار دیکھکر تمہاری بہن مچھلی کی طرح تڑپے۔ اسی وقت چلی جاؤ! میری نگاہوں سے دور ہو جاؤ! میں نے ایک زبردست ڈانٹ دی۔ وہ بچی کو سینے سے لگا کر خوب روئی مگر میرے دل میں اسکے لیئے ذرہ برابر بھی رحم کا جذبہ نہیں پیدا ہوا۔ وہ بچی کو وہیں صوفے کے سامنے ڈال کر چلی گئی۔

"ہونھ! بے اختیار افروز کے منہ سے نکلا۔ نوری نے نظریں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا مگر وہ کھڑکی سے باہر کہیں دور دیکھ رہا تھا۔

میں نے بچی کو گود میں نہیں لیا۔ مجھے اس سے بھی نفرت تھی۔ اس لئے کہ وہ فرزانہ کی بہن کی لڑکی تھی لیکن چونکہ وہ میری غلطی کا نتیجہ تھی میں اسے پرورش کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اسی وقت میں نے آیا اور انا کا انتظام کیا اور بچی کی دیکھ بھال ہونے لگی۔ اور جیسے جیسے وہ بڑھتی گئی میرے دل میں اسکے لئے محبت ہوتی گئی۔ اس کی ماں ہر وقت اس کے لئے مجھے

خط لکھا کرتی اسکے جواب میں انا کی طرف سے لکھوادیتا کہ بچی خیریت سے ہے۔ زمانہ تیز رفتار کے ساتھ دوڑتا گیا۔ اور اسی رفتار کے دوران میرے اور فرزانہ کے والدین کا انتقال ہو گیا ادھر میری لڑکی بھی بڑھتی گئی ۔ اعلی تعلیم حاصل کرتی گئی۔ ایم اے پاس ہو گئی۔ اس کی ماں کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے ابھی تک شادی نہیں کی اور کسی اسکول میں ملازمت کر رہی ہے اور فرزانہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بڑے مزے سے اورنگ آباد میں ہے اسکے کئی بچے ہیں۔ ہاں تو میں نے بھی شادی نہیں کی اور ساری زندگی اپنی بچی کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت میں صرف کر دی۔ لیکن اس پر بھی میرے دل کو ٹھنڈک نہیں پہونچی۔ میرے دل میں آجتک بھی انتقام کی آگ جل رہی ہے۔ اگر آج بھی مجھے فرزانہ کے خاندان کا کوئی فرد مل جائے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں۔

افروز زور سے اپنی نشت پر لرز کر رہ گیا میں آجتک اسکا انتظار کر رہا ہوں۔ افسانہ ختم کر کے نوری نے پوچھا۔ آپ نے اس لڑکی اور اسکے باپ کا نام ہی نہیں لکھا بابا جان! او! ہاں! یہ میرے ایک دوست کی لکھی ہوئی کہانی ہے۔ دل بہلانے کے لئے لے آیا تھا۔ کہو بچو کیسی رہی یہ داستان؟

"جی بہت غمگین: افروز نے جواب دیا۔ اسکا بوجھ ہلکا ہو گیا کہ اس کہانی کا اس کے والدین سے یا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

"مگر بابا یہ بتائے کہ اس لڑکی کی ماں کا کیا حشر ہوا؟ وہ ماں بیٹی ایک دوسرے سے ملیں کے نہیں؟

"یہ تو ایک افسانہ ہے بیٹی

"مجھے ایسے افسانے پسند نہیں۔ جو ادھورے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔" نوری نے کہا

"ہاں میں بھی یہی جاننا چاہتا تھا کہ ان خاتون کا کیا ہوا؟ افروز بولا

"وہ تو افسانہ نگار ہی جان سکتا ہے؟ سر فراز احمد نے ایک زور کا قہقہہ لگایا۔ نوکروں نے دوپہر کے کھانے کی اطلاع دی۔ سب کھانے کیلئے بیٹھے۔ رات کو وہیں قیام کیا اور صبح ناشتہ کر کے سب حیدر آباد روانہ ہوئے۔

O

افروز کی آمد و رفت بدستور جاری تھی۔ سرفراز احمد ہر وقت اسکے والدین کے متعلق پوچھا کرتا اور وہ ہمیشہ اسے یہی جواب دیتا کہ اسکی بہنوں کی شادیاں ہو رہی ہیں۔ وہ ان شادیوں سے فراغت کر کے یہاں آئیں گے۔ افروز اور نوری کی محبت بھی دن بہ دن ترقی کرتی جارہی تھی۔ ایک مرتبہ افروز نے باپ بیٹی کی دعوت کی۔ کھانے وانے سے فارغ ہونے کے بعد افروز نے سرفراز احمد کو اپنا مکان بتایا۔ اس وقت اس نے افروز کے والدین کی تصویر دیکھی۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے تصویر کی طرف بتا کر پوچھا یہ تصویر ؟ جواب میں افروز پریشان ہو گیا۔ دعوت سے پہلے وہ اس تصویر کو اتارنا بھول گیا تھا۔ اس نے جواب دیا جی یہ میرے ایک رشتہ دار کی ہیں۔ میرے چچا کی تصویر ہے۔

تمہارے چچا ہیں یہ ؟ سرفراز احمد نے انتہائی حیرت کے ساتھ کہا "تم تو کہتے تھے کہ وحید مرزا کو بالکل نہیں جانتے۔ اب کہتے ہو کہ وہ تمہارے چچا ہیں ؟

افروز نے پریشان ہو کہ کہا۔ جی ہاں میں نے یہ اس لئے کہا کہ انکا بھتیجہ سمجھکر آپ مجھ سے بھی ناراض ہو جائینگے۔

سرفراز احمد نے جواب نہیں دیا۔ مکان کا دوسرا حصہ دیکھنے لگا۔ اس کے بعد وہ شام کی چائے پینے سے انکار کر کے گھر چلا گیا۔

افروز کے سر پر جیسے ہزاروں بجلیاں گریں۔ وہ اپنی اس بھول پر لعنت بھیج رہا تھا کہ کیوں اس نے تصویر دعوت سے پہلے وہاں سے نہیں ہٹا دی۔

دوسرے دن وہ حسب معمول سرفراز احمد کے گھر گیا۔ نوری کو بھی افروز کی بھول کا بہت افسوس تھا اس نے نوری کو دیکھتے ہی پوچھا۔

"اب کیا ہوگا نوری۔ تمہارے بابا مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں

"بہت زیادہ ناراض ہیں۔ اچھا ہوا کہ آپ انکی غیر موجودگی میں آگئے ورنہ وہ آپکے یہاں آنیکے سخت خلاف ہیں انھوں نے مجھکو آپ سے ملنے کیلئے منع کر دیا ہے۔

"تو کیا تم بھی مجھ سے ناراض ہو نوری۔

"ہرگز نہیں۔ آپکے بزرگوں سے اگر بابا کو نفرت ملے تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ میں بھی آپ سے ناراض ہو جاؤں۔

"مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اپنے گھر میں تم لوگوں کی دعوت کر کے میں نے تمہیں کھو دیا ہے نوری۔

"آپکے معاملے میں بابا کی ہم خیال نہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں آپ سے بیوفائی نہیں کرونگی۔ آپ مایوس نہ ہوں۔ میں بابا کے پیروں پر سر رکھکر آپکو ان سے مانگ لونگی۔

"میری اچھی نوری! بس میں یہی چاہتا ہوں۔ میری زندگی کا دارومدار صرف تمہاری مہربانی پر منحصر ہے میری جان! افروز نے نوری کے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے۔

"اچھا اب آپ جائیے! بابا یہیں قریب اپنے کسی دوست سے ملنے گئے ہیں۔

"خدا حافظ نوری! خدا حافظ جائیے۔" اچھا تو پھر کب آؤں؟ جب میرا خط آپکو ملے اس وقت آنا۔ بابا کی موجودگی میں اگر آپ آگئے تو وہ ضرور آپ کی توہین کرینگے جو مجھے پسند نہیں۔

"اچھی بات ہے۔ خدا حافظ۔ سدھاریئے فی امان اللہ! افروز کے جانے کے بعد نوری غمگین بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد سر فراز احمد گھر واپس ہوا۔ وہ بولا۔ نوری! میں نے ابھی ابھی اپنے ایک دوست کو اورنگ آباد فون کیا تھا" جی" یہ افروز اسی وحید مرزا کا لڑکا ہے۔ بیرسٹر سرفراز احمد مارے غصے کانپ رہا تھا۔ اس کی یہ جرات کہ میرے گھر آکر میری عزت پر حملہ کرنیکی کوشش کرے۔

"آپکو آخر وحید مرزا پر اتنا غصہ کیوں ہے بابا جان؟ نوری نے بیزار ہو کر پوچھا۔

"غصہ! وہ میرا رقیب ہے اس نے میری معشوقہ چھینی ہے۔ پھر میں اس سے نفرت نہ کروں اور لعنت نہ بھیجوں تو کیا کروں؟ سر فراز احمد انتہائی غصے سے بولا۔

" آپکے رقیب ہیں وہ نوری بہت متعجب ہو رہی تھی؟ ہاں ہاں میرا رقیب۔ اس نے میری زندگی کی خوشیاں چھین کر دکھ دیئے ہیں مجھے۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ کیسے بابا جان؟

"وہ فرزانہ کا شوہر ہے اور فرزانہ میری معشوقہ جسکی داستان تم پا کھال میں پڑھ چکی ہو۔

"وہ داستان آپکی تھی بابا؟ نوری دکھ سے چلا پڑی۔ لیکن آپ نے مجھے اب تک نہیں بتایا کہ میری ماں کا کیا انجام ہوا۔ وہ رو پڑی۔

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ مر گئی یا زندہ ہے۔

"آپ نے میری ماں پر بہت ظلم کیا ہے بابا۔ وہ ہچکیاں لیکر رونے لگی۔ "وہ اسی قابل تھی" ایک بہن کا انتقام دوسری بہن سے لینا کہاں کا انصاف ہے بتائیے۔ اور اب آپ مجھے خالہ کے لڑکے سے بھی ملنے کے لئے منع کر رہے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ میں زندگی بھر اس سے ملتی رہونگی۔ وہ چلا چلا کر رونے لگی۔ خوب رولو! جب تمہارے آنسو تھم جائینگے تو سمجھاؤنگا کہ تم کو اس سے کیوں نہیں ملنا چاہئیے۔ سر فراز احمد سر تھامے کرسی پر بیٹھا رہا اور نوری اپنی خوابگاہ میں جاکر بستر پر لیٹ کر زار زار روی۔



میز پر سامنے چائے کی کشتی رکھی ہوئی ہے۔ باپ بیٹی دونوں بالکل خاموش ہیں اس خاموشی کو چیرتی ہوئی سر فراز احمد کی آواز گونجی۔ "فرزانہ کا یہ حال تھا کہ میری لمحہ بھر کی جدائی بھی اسے گوارا نہ تھی اور میرا بھی یہی حال تھا۔ مگر جب میں پڑھنے کیلئے لندن چلا گیا تو یہاں کی دنیا ہی بدل گئی۔ اور اس بیوفا کی غداری سے میں زندہ درگور ہو کر رہ گیا۔ سر فراز احمد کی آواز غم سے گلوگیر ہونے لگی نوری سر جھکائے باپ کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بولا۔ کیا تم اس گھر میں بہو بنکر جانا چاہتی ہو جس نے میری خوشیوں کو چھین کر مجھے تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا۔ بولو! جواب دو! نوری نے جواب نہیں دیا۔ اس کے آنسو رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ "اگر تم نے میری بات نہ مانی اور میری مرضی کے خلاف کیا تو میں یہی سمجھونگا کہ بیٹی باپ کے لئے بدترین دشمن ثابت ہوئی۔ باپ کی آواز غم سے بھرانے لگی۔ نوری نے اپنے آنسو پونچھکر کہا۔ مجھے میری ماں سے ملائیے بابا! وہ پھر آنسو بہانے لگی۔ مدت سے انکا کوئی پتہ نہیں۔ میں اسکے بارے میں تم سے کیا بتا سکتا ہوں۔ کیا انکے کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہیں نوری نے آنچل سے آنسو صاف کئے سر فراز احمد سوچنے لگا ۔ پرانی حویلی کے پاس اسکی بڑی بہن کا مکان ہے۔ "کیا نام ہے ان کے شوہر کا؟" "فیروز جنگ ۔ بہت بڑی ڈیوڑی ہے انکی۔ وہاں جاکر پوچھنا پڑے گا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں انی ماں کو لیکر وہاں جاؤں؟ سر فراز احمد سوچنے لگا۔ نوری باپ کا منہ دیکھتی رہی۔ بیرسٹر بولا۔ انی اور آپا دونوں کو لیکر جاو۔ اس نے انا اور آپا کو بلا کر ہدایتیں دیں۔ شوفر کو مکان کا پتہ بتایا۔ اسکے بعد نوری اپنی دونوں خدمتگاروں کے ہمراہ پرانی حویلی کی طرف روانہ ہوئی۔ مکان کی

تلاش میں دیر نہیں لگی۔ بہت جلد اسکا پتہ لگ گیا۔ نئی موٹر اور نئے چہرے دیکھکر اندر سے باہر تک گڑبڑ ہونے لگی دیوڑھی کے تمام خدمتگار ایک کے بعد ایک آکر موٹر کو دیکھنے لگے اور جس سے بھی بیگم فیروز جنگ کے بارے میں پوچھا جاتا وہ اندر جاکر غائب ہو جاتا۔ بڑی مشکل سے ایک نوکر واپس آیا "جی آپ کہاں سے آرہی ہیں" "جوبلی ہلز سے شوفر بولا" کس سے ملنا ہے آپکو؟ نوکر نے نوری سے پوچھا "بیگم فیروز جنگ سے

"جی وہ اس وقت بہت مصروف ہیں ملنے سے معافی چاہتی ہیں۔" "ان سے کہو کہ میں ان کی بہن سارہ بیگم سے ملنے آئی ہوں۔ نوری بولی۔ نوکر اندر جاکر کچھ دیر میں واپس آیا۔ جی وہ یہاں نہیں ہیں بابا شرف الدین کی پہاری پر گئی ہوئی ہیں۔ کب آئینگی۔ نوری نے انتہائی بے چینی سے پوچھا۔" جی پتہ نہیں۔ نوکر نے جواب دیا۔ نوری کے اشارے پر شوفر نے کار پہاڑی کی طرف موڑ دی۔ وہاں جاکر ان لوگوں نے جب سارا کا پتہ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کچھ دیر پہلے یہاں سے جاچکی ہیں۔ نوری دوبارہ فیروز جنگ کی دیوڑھی پر گئی۔ وہاں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنی سہیلی کے پاس چلی گئیں۔ دو چار دن بعد واپس آئینگی۔ نوری نے سہیلی کا پتہ پوچھا۔ مگر کچھ پتہ نہ معلوم ہو سکا۔ وہ ناکام گھر لوٹ گئی اور باپ کو ساری باتیں بتادیں۔

"تو سارہ زندہ ہے ابھی تک؟ ہونہہ! نوری حیرت سے باپ کا منہ دیکھنے لگی۔ سر فراز احمد بولا اب شاید آخری عمر میں سب ملکر میرے انتقام کا انتقام لینگے۔ وہ غم و غصہ سے سانپ کی طرح پھنکارنے لگا۔" آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں بابا؟ کس کی مجال ہے آپ سے انتقام لینے کی؟

"تم! تمہاری ماں۔ تمہاری خالہ فرزانہ۔ وحید مرزا اور انکا لڑکا افروز ہی مل کر لینگے مجھ سے انتقام۔ وہ کرسی کی پست سے سر لگا کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ جوانی میں معشوقہ نے دغا دی اور اب بڑھاپے میں بیٹی غداری کریگی۔ بابا آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔ میں کبھی آپ سے غداری نہیں کرونگی وہ باپ کے گلے سے لپٹ گئی۔ مجھ پر بھروسہ کیجئے بابا! میرے بابا جان اگر مجھے ہمدردی ہے تو صرف اپنی ماں سے ان کے سوا اور کسی سے نہیں۔ باپ نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اپنے آنسو پونچھے۔ نوری نے سر اٹھا

کر باپ کی طرف دیکھا اسکے رخساروں پر آنسو تھے۔ یہ کیا بابا! میرے بابا جان آپ نہ روییئے
اس نے ڈوپٹے کے آنچل سے باپ کے آنسو پونچھے۔ میں سمجھتا تھا کہ بیٹی میرے دشمنوں
سے انتقام لے گی بر خلاف اس کے بیٹی میرے دشمنوں سے دوستی کرنے جا رہی ہے۔"
نہیں بابا ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں اپنی ماں کو لیکر یہیں چلی آونگی" "تم اپنی ماں کو یہاں لاؤ گی
نوری! باپ نے تعجب سے پوچھا۔
"آپ ان سے نہ ملئے وہ میرے ساتھ رہینگی صرف اتنی اجازت دید یجئے بابا! میں آپکے پیر
پڑتی ہوں بیٹی باپ کے قدموں سے لپٹ گئی۔ میری ماں کا کیا قصور اور خطا ہے بابا؟ آپ
نے تو ایک بے گناہ کو اپنے انتقام کا نشانہ بنا کر ان کی زندگی برباد کر دی بابا جان! باپ نے
بیٹی کو قدموں سے اٹھا کر سینے سے لگا کر کہا۔ اس نے بھی کسی سے شادی کر لی ہوگی۔
"ایسا نہیں وہ میری یاد میں تڑپ رہی ہونگی۔ کچھ دیر بعد نوری نے کہا چلئے بابا کھانا کھا لیجئے
میز پر کھانا چنے بہت دیر ہو گئی۔" "ہاں چلو بیٹی"۔ باپ بیٹی دونوں کھانے کے لئے میز پر
گئے۔



چار دن نوری نے بڑی مشکل سے کاٹے۔ چوتھے روز وہ ماں سے ملنے کے لئے
فیروز جنگ کی دیوڑھی پر گئی اندر بلائی گئی۔ بڑے بڑے دالانوں ' ہالوں ' صحنوں اور کمروں
سے گزرنے کے بعد وہ ایک شاندار نشستگاہ میں داخل ہوئی جس میں چاندنی کے فرش پر
ریشمی قالینیں بچھی ہوئی تھیں اور مسند تکیئے سے لگی بھرے ہوئے جسم کی ایک بیگم بیٹھی
ہوئی تھیں۔ سامنے چاندی کا پاندان 'ناگردان' خاصدان 'اگالدان وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔
نوری نے انھیں حیدر آبادی طریقے سے پیشانی تک تین انگلیاں لیجا کر کسی قدر خم ہو کر
سلام کیا۔ "جیتی رہو! تم شاید سارہ سے ملنا چاہتی ہو؟
"جی۔ نوری سمجھ گئی کہ یہ بڑی خالہ بیگم فیروز جنگ ہیں۔ "بیٹھو!" نوری حیدر آبادی
تہذیب و آداب سے اچھی طرح سے واقف تھی وہ بیگم فیروز کے سامنے ادب سے بیٹھ گئی
بیگم صاحبہ نے پاندان کھول کر گلوری بنائی۔ اتنی دیر میں ایک گورے رنگ کی دبلی پتلی دراز
قامت عورت وہاں آئی۔ بیگم فیروز جنگ نے اگلدان ہاتھ میں لیکر کہا" سارہ یہ تم سے ملنے

آئی ہیں۔اس نام میں وہ اثر تھا کہ نوری غم و خوشی سے ملے ہوئے جذبات کے ساتھ کانپنے لگی اس نے اپنی ماں کو بھی اسی طرح سلام کیا اس نے دیکھا اسکی ماں کے سر کے بال بالکل کالے ہیں اور وہ جوان سی لگ رہی ہے۔ سارہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ آپ جانتی ہیں مجھے " آپ مجھ بالکل بھول گئیں۔میں آپکو اچھی طرح سے جانتی ہوں اسکی آواز رقت سے حلق میں پھنسنے لگی

" سارہ مسکرا کر بولی۔اس سے پہلے تو میں نے آپکو کبھی نہیں دیکھا۔دیکھا ہے اچھی طرح سے دیکھا ہے بالکل قریب سے دیکھا ہے میں کبھی آپ کی رگ گردن سے بھی قریب تھی محترم خاتون اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا اسنے رونا شروع کیا۔ بیگم فیروز جنگ حیرت سے نوری کی باتیں سننے لگی۔سارہ نے اسے قریب لیتے ہوئے انتہائی حیرت سے پوچھا رگ گردن سے بھی قریب تھیں آپ؟ہاں آپ نے نو مہینے تک اپنے جسم کے اندر میری پرورش کی تھی۔ تم! تم تم! میری بچی! سارہ اتنا روی کہ بے ہوشی کے قریب پہونچ گئی۔ بڑی مشکل سے کنیزوں نے اس سنبھالا۔ ٹھنڈا پانی چہرے پر چھڑکا۔ عطر سنگھایا تب اسکے حواس درست ہوئے۔اس نے نوری کو سینے سے لگا لیا۔ ادھر بیگم فیروز جنگ بھی رو رہی تھی " تمہارے باپ کہاں ہیں؟ بیگم فیروز جنگ نے پوچھا"۔ یہیں ہیں۔نوری بولی۔

"تم نے کہاں تک تعلیم پائی ہے بیٹی۔ بیگم فیروز جنگ نے دریافت کیا ۔جی میں نے ایم اے پاس کرلیا ہے بابا مجھے بہت چاہتے ہیں۔میں نے اس بات کی اجازت لے لی ہے کہ امی کو اپنے ساتھ رکھوں اور اب امی کو میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔ تم چند روز یہاں رہ جاؤ! پھر تمہاری ماں تمہارے ساتھ جائینگی بیٹی !۔! تمہارا نام ؟ " نوری " کتنا پیارا نام رکھا ہے تمہارے باپ نے بیگم فیروز جنگ بولی۔

" مجھے صرف چند گھنٹے یہاں رہنے کی اجازت ملی ہے اس سے زیادہ میں یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ میں اپنے بابا کے زخمی دل پر نمک چھڑکنا نہیں چاہتی۔اگر میں یہاں رہ گئی تو وہ سمجھینگے کہ میں نے ان سے غداری کی ہے۔ وہ میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور پھر انکی صحت بھی ٹھیک نہیں ہے۔"لیکن میں تمہارے ساتھ جاونگی تو دنیا کیا کہے گی۔ کچھ دنیا کا بھی تو خیال کرنا چاہئیے۔" سارہ نے کہا" بیگم فیروز جنگ بولی۔ بغیر کسی رشتے کہ وہ کیسے تمہارے ساتھ رہ

سکتی ہیں۔

"اگر امی کے دل میں میری محبت ہے تو وہ ضرور میرے ساتھ چلینگی۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ تم ہی روز مجھے یہاں آکر دیکھ جایا کرو! تمہاری ماں کا دل بھی تمہارے باپ کے دل سے کم زخمی نہیں ہے بلکہ یہ زخم اس زخم سے کہیں زیادہ ہرا ہے۔ میرے دل کا زخم ایک مستقل ناسور ہے بیٹی جو شاید کبھی مندمل نہ ہو سکے گا۔ سارہ نے روتے ہوئے کہا ۔ " مجھے مرحم زخم جگر سمجھیئے امی! چلئے میرے ساتھ !نوری ماں سے لپٹ گئی۔

"تمہارے باپ نے میری جو بے عزتی کی ہے وہی میرے لئے بہت ہے۔ اب اس سے زیادہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر تم کو مجھ سے محبت ہے اور میری بے عزتی کا خیال ہے تو تم ہی ہر روز مجھے یہاں آکر دیکھ جایا کرو۔ اچھا تو مجھے اجازت دیجئے !نوری نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"کھانا کھا کر شام تک جانا بیٹی بڑی خالہ نے کہا۔" نہیں میں بابا کی بغیر اجازت ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہر سکتی میرے بابا گھر میں بالکل تنہا ہیں۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہونگے۔ ہاں امی میں ہر روز آپکو دیکھنے کے لئے آیا کرونگی۔ آپ غمگین نہ ہوں۔ ماں بیٹی پھر ایک بار آبدیدہ ہوئیں۔ نوری جوبلی ہلز کو واپس ہوئی بیٹی کو دیکھتے ہی باپ کی پر غم آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں وہ مسکرا پڑا نوکر دوپہر کا دستر خوان بچھانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اسوقت تک نوری نے ماں سے ملاقات کی ساری باتیں اس سے کہہ ڈالیں۔ "تو یہ کہو کہ اس نے شادی نہیں کی ابتک؟

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔ میں پہلی ہی ملاقات میں یہ سب باتیں کیسے پوچھتی؟ میں ہر روز تم کو وہاں جانیکی اجازت نہیں دے سکتا کبھی کبھی چلی جایا کرو!نوری نے باپ کی طرف دیکھ کر سر جھکالیا۔ چوتھے روز نوری ماں سے ملنے گئی۔ ماں بڑی بے چینی سے بیٹی کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی لپٹالیا اور سینکڑوں پیار کرڈالے۔ میں چار دن سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں بیٹی!وہ روتی ہوئی بولی۔ نوری نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔" بابا کی اجازت بغیر میں کیسے آسکتی تھی"۔ سارہ اسے بیگم فیروز جنگ کے پاس لے گئی اس نے بھی اسے سینے سے لگا کر چار آنسو بہائے اس روز وہ اپنے خالو نواب فیروز جنگ سے بھی ملی۔ وہ بھی اس سے انتہائی

محبت و شفقت کے ساتھ ملے۔ اس کے بعد ان کے لڑکوں اور لڑکیوں سے بھی سارہ کو ملایا وہ سب اسے دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ سارا دن گزار کر چائے کے بعد نوری چشم پر نم کے ساتھ سب کو خدا حافظ کہکر گھر لوٹی۔ لیکن اسکا دل ماں خالہ اور اسکے بچوں سے سیر نہیں ہو رہا تھا۔ دوسرے دن فیروز جنگ کا خط سر فراز احمد کے نام آیا لکھا تھا کہ اگر اسے بیٹی سے محبت ہے تو سارہ سے نکاح کرلے تاکہ ماں بیٹی زندگی بھر ایک جگہ رہ سکیں۔ اس خط کو پڑھ کر سر فراز احمد بہت غصبناک ہوا اور اسی وقت مقام تبدیل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس خبر کو سنکر نوری پھوٹ پھوٹ کر روی۔ اور تبدیل مقام کے لئے تیار نہیں ہوئی۔ اس وقت سر فراز احمد بولا۔

"ایک طرف تمہارا باپ ہے اور دوسری طرف تمہاری ماں۔ تم ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرلو!

انسان کی دونوں آنکھیں اسے پیاری ہوتی ہیں میں آپ دونوں کو بھی نہیں چھوڑ سکتی نوری روتی ہوئی بولی۔ "یہ انہونی بات ہے۔ تمہاری ماں کسی طرح اس گھر میں نہیں آسکتی۔ سر فراز احمد نے غم و غصے کے ساتھ جواب دیا۔ پھر تو میں آپ دونوں کو چھوڑ کر کہیں دور چلی جاونگی۔ تو تم یہی چاہتی ہو کہ ماں تمہارے ساتھ رہے۔ اچھی بات ہے یوں ہی سہی۔ انا اور آیا کو باؤ جب وہ دونوں آگئیں تو سر فراز احمد بولا۔ دیکھو تم دونوں بی بی کا سارا سامان اکٹھا کرلو اور اسے لیجا کر اس کی ماں کے پاس چھوڑ دو! اس کی آواز غم سے گھٹنے لگی۔

"نہیں ماں کے پاس بھی نہیں جاونگی نوری نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "تم کو جانا پڑے گا سر فراز احمد کی آواز سے در و دیوار ہلنے لگے۔ "چلی جاؤ یہاں سے! دور ہو جاؤ میری نظروں سے باپ انتہائی غصے سے بولا۔ میں سمجھتا تھا کہ تم مرہم زخم جگر بنوگی مگر برعکس اسکے تم نوری میرے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہو۔ جاؤ! چلی جاؤ یہاں سے! اسنے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا۔ چاہے معشوقہ ہو یا بیٹی۔ مرد کے حق میں غدار ہی ثابت ہوتی ہے۔ ضبط غم سے اسکا سارا جسم کانپنے لگا۔ "نوری چلائی باباجان! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں ہرگز غدار نہیں ہوں۔ مجھے صرف اپنی ماں کی بدنصیبی پر رحم آتا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ان سے نہ ملوں تو ہرگز نہیں ملونگی بابا! وہ باپ کے گلے سے لپٹ گئی۔ باپ بیٹی بہت دیر

تک روتے رہے۔ آنسو برس جانے کے بعد ان دونوں کا دکھ ذرا دور ہوا سر فراز احمد بولا۔" ایک شرط پر میں تمہاری ماں کو آنے کی اجازت دونگا۔ کہئیے!" تمہاری ماں آجائیگی اور میں اس سے نکاح کرلونگا۔" بابا میرے اچھے بابا! نوری باپ کے پیروں سے لپٹ گئی ۔" میری اچھی بچی اٹھ! بار بار میرے پیروں سے نہ لپٹ! لیکن اس کے بعد تم اپنی ماں کے کسی رشتہ دار سے بھی نہیں مل سکوگی۔ زندگی بھر کے لئے تم کو ان سے بائیکاٹ کرنا ہوگا۔ نوری نے سر جھکالیا۔ یہی میری شرط ہے۔ باپ نے کہا۔ یاد کرو اس تمام غم و رنج کا باعث کون ہے؟ نوری استفامیہ نظروں سے باپ کو دیکھنے لگی۔ اس تمام رنج و غم اور بربادی کا باعث فرزانہ ہے۔ فرزانہ کی وجہ سے تمہاری ماں کی زندگی برباد ہوئی۔ فرزانہ کی وجہہ سے تم کو اپنی ماں سے جدا رہنا پڑا فرزانہ کی وجہہ سے میری تباہی ہوئی اور میں نے دوسروں کو برباد کر دیا۔ بتاؤ کیا تم ان لوگوں سے ملنا پسند کرتی ہو جہاں فرزانہ جیسی غدار دغا باز اور دھوکہ باز عورت رہتی ہے۔

"نہیں بابا کبھی نہیں

"بیٹی میں اتنا چاہتا ہو کہ جس طرح اس نے میرے دل پر نشتر مارا ہے۔ غداری کی ہے اسی طرح سے تم بھی اسکے دل پر نشتر مارو اور میرا انتقام لو! نوری نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد کہا۔ مجھے منظور ہے۔ بس میری ماں کو یہاں آنے دیجئے!۔

"اگر تم کو میری خوشی منظور ہے تو میرے حسب الحکم کام کرو! اور یہ خوشی میری زندگی کی پہلی خوشی ہوگی نوری۔

" بابا! میں آپکے لئے اپنی جان بھی دینے کے لئے تیار ہوں اور وہی کرونگی جس سے آپ کو خوشی ہوگی

"تم خود ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ فرزانہ یا اس کے خاندان سے تم کو کیسا برتاؤ کرنا چاہئیے

"ویسا ہی جیسا کہ انھوں نے آپکے ساتھ کیا ہے۔ بالکل ٹھیک! سر فراز احمد نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

O

اسی شام کو نوری ماں کو گھر لے آئی اور رات کو چار آدمیوں کی گواہی میں سرفراز احمد نے سارہ سے نکاح کرلیا وہ مکان سے کہیں دور ایک علحدہ حصے میں رہنے لگی۔ اور نوری کے لئے مکان کا یہ حصہ بہشت بریں سے کم نہ تھا۔ ماں کی شفقت قدرتی محبت جو اسے زندگی میں پہلی بار ملی تھی وہ اسکو حاصل کر کے دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو گئی باپ نے اسکے لئے ایک لڑکے کا انتخاب کیا امریکہ سے اعلی تعلیم حاصل کر کے آیا تھا اور فوج میں کیپٹن تھا۔ باپ نے انا اور آیا کے ذریعے اس رشتے کی بات بیٹی تک پہنچائی نوری ماں کے زانو پر لیٹی ہوئی تھی اور وہ انتہائی پیار سے اسکا سر سہلا رہی اور باتیں کر رہی تھی۔

"یہ بولو کہ بڑی آپا اور بڑے دولھا بھائی بہت نیک ہیں جو ان لوگوں نے اس کڑے وقت میں میرا ساتھ دیا۔ دونوں بہنوں کو تمہارے باپ کے سلوک کا انتہائی غم تھا۔ اور آج تک چھوٹی آپا میرے لئے رویا کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ انکی وجہ سے میری زندگی تباہ ہوئی دونوں بہنوں نے اور میرے تینوں بھائیوں نے بہت کوشش کی کہ میں کسی سے عقد کرلوں مگر میں نے اسے منظور نہیں کیا۔

"آخر فرزانہ بیگم نے میرے بابا سے غداری کیوں کی۔ کیوں انکو دغا دی

"نہ جانے چھوٹے دولھا بھائی نے کیا کر دیا تھا کہ چھوٹی آپا نے ماں باپ کی اور سارے خاندان کی مرضی کے خلاف یہ شادی کرلی۔ بڑے دولھا بھائی تو اس شادی میں شریک بھی نہیں ہوئے۔ اماں بہشت نصیب کہتی تھیں کہ ضرور چھوٹی آپا پر کوئی جادو کیا گیا ہے۔

"سب کہنے کی باتیں ہیں امی۔ میں اسے نہیں مانتی جادو سے دل تھوڑے ہی پلٹتے ہیں یہ کہو کہ ان کا دل بدل گیا اور اپنی خوشی کے آگے انکو کسی کی خوشی کا یا کسی سے کئے ہوئے عہد وپیماں کا بھی خیال نہیں رہا۔ نوری نے کہا۔

"اس زندگی میں کب خوش ہیں وہ۔ رات دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ آج تک میاں نے کبھی ایک پیسہ انکے ہاتھ میں نہیں دیا سارے گھر کے وہی مختار کل ہیں۔ حد ہو گئی کہ اپنی مرضی سے اپنی خوشی کے لئے وہ ایک پیسے کی چیز نہیں لے سکتیں۔ اور نہ بغیر انکے حکم کے ایک انچ اپنی جگہ سے ہٹ سکتی ہیں۔ تینوں لڑکیاں اور لڑکا باپ کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ یوں کہو کہ تمہارے باپ کی آہیں خالی نہیں گئیں۔ آٹھ آٹھ آنسو رویا کرتی ہیں وہ

''افروز آیا کرتے تھے آپکے پاس؟

''ہاں ہفتے میں ایک مرتبہ ضرور آتا ہے بڑی آپا کے پاس

''کیا انھوں نے کبھی میرا ذکر آپ لوگوں سے نہیں کیا؟

''نہیں۔ لیکن وہ تم کو کیا جانے؟ سارہ حیرت سے سوال کیا

''سال بھر میں اور وہ لندن میں اکٹھا رہے ہیں اسکے بعد وہ اکثر ہمارے گھر آتے رہے۔ مگر بابا کو کسی طرح سے پتہ چل گیا اور انھوں نے سختی سے مجھے ان سے ملنے کے لئے روک دیا ہے میں نے انکو بتایا کہ بابا انکے یہاں آنکے خلاف ہیں اسوقت سے وہ یہاں نہیں آے مگر امی ہیں وہ بڑے نیک اور شریف نوری نے سر جھکالیا۔

''تعجب ہے کہ اس نے ہم لوگوں سے تمہارا حال کیوں نہیں بتایا'' آجکل کہاں ہیں وہ؟

''یہیں حیدر آباد میں ہے نوری سر جھکا کر سوچنے لگی۔ سارہ نے کہا''کسی دن بڑی خالہ اماں کے پاس چلو وہیں اس سے مل سکتی ہو تم۔

''بابا کو معلوم ہوگا تو رنج کرینگے وہ۔ انا اور آیا دونوں سارہ کو سلام کر کے بیٹھ گئیں انا بولی'' سرکار کہتے ہیں کہ آج کوئی صاحب آنے والے ہیں انکے رہنے کا انتظام کریں آپ وہ نوری سے مخاطب ہوئی۔ کون ہیں وہ؟ نوری نے پوچھا۔

''آیا بولی۔ آپکے ہونے والے دولھا آرہے ہیں۔ نوری نے تعجب سے انا اور آیا کی طرف دیکھا

'' وہ امریکہ سے پڑھ کر آئے ہیں اور فوج میں کپتان کا کام کرتے ہیں انا نے کہا یہیں ہندوستانی فوج میں کام کرتے ہیں۔ نوری نے چشم پر نم کے ساتھ ایکبار اماں کی طرف دیکھ کر سر جھکالیا۔ انا بولی''سرکار نے آپکو اطلاع دینے کے لئے کہا تو ہم نے کہدیا۔ اب آپ کی مرضی بی بی۔

''تم جاؤ میں آتی ہوں''نوری بولی

دونوں چلی گئیں۔ نوری ماں کی آغوش میں سر رکھ کر خوب روئی۔ ماں بھی اسکے ساتھ روئی پھر آنچل سے اسکے آنسو پونچھکر پوچھا۔ کیا تم کو یہ لڑکا پسند نہیں ہے نوری؟

''نوری نے جواب نہیں دیا۔ ماں کے سینے میں اپنا چہرہ چھپالیا۔

"تو کیا تم کو افروز پسند ہے ؟ نوری نے اسکا بھی جواب نہیں دیا۔ معاملہ بڑا نازک ہو گیا ہے میری بچی! غالباً تمہارے والد افروز کو پسند نہیں کرینگے اور نہ ہی چھوٹی آپا اس رشتے کو قبول کرینگی اور انکے شوہر تو تم لوگوں کے سخت دشمن ہیں۔ تمہارے باپ کو انھوں نے کبھی نیکی سے یاد نہیں کیا۔ کئی مرتبہ اسکے لئے میری ان سے بحث بھی ہو چکی

"فرزانہ بیگم سے یا وحید مرزا سے ؟

"وحید مرزا سے۔ چھوٹی آپا کو تو میں نے کبھی تمہارے باپ کا نام لیتے ہوئے نہیں سنا!

"وہ میرے باپ کا مقدس نام لینے کے قابل کب ہیں ان کی غداری نے تو خاندان کے بہت سے افراد کو تباہ کر دیا۔ معصوموں کے دلوں سے نکلتی ہوئی آہوں کی آگ میں وہ زندگی بھر جلتی رہنگی۔ نوری نفرت اور غصے سے بولی۔ انا نے ایک خط لا کر دیا۔ خط پر مہر دیکھی اندرون حیدر آباد ہی کا تھا۔ نوری نے لفافہ چاک کیا۔ القاب پڑھکر اس کے ہاتھ لرزنے لگے۔ بیٹی کی پریشانی دیکھ کر ماں نے پوچھا کس کا خط ہے؟ نوری نے جواب نہیں دیا۔ وہاں سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب کھڑی ہو کر پڑھنے لگی۔

ڈارلنگ نوری!

امید کہ بخیریت ہو گی۔ یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ تم اپنی ماں کے قریب ہو میں اس بات کی مبارکباد دیتا ہوں کہ چھوٹی خالہ جان اب مسز سرفراز احمد بن گئیں۔ ہاں یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں تمہارے بغیر میں زندگی کا ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتا۔ اگر تم نہ ملیں تو یقین مانو میں خودکشی کر لونگا۔ ایک خوشی کی بات یہ ہے کہ میں نے امی اور ابا دونوں کو راضی کر لیا ہے جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ تمہارے والد نے چھوٹی خالہ جان سے نکاح کر لیا ہے تو خوشی سے تم کو بہو بنانے کے لئے تیار ہو گئے اور امی نے اس خوشی میں شکرانے کی نمازیں پڑھیں اور غریبوں کو کھانا کھلایا۔ اب تمہارے والد کو ہموار کرنا تمہارے اور چھوٹی خالہ جان کے اختیار میں ہے بولو میرے لئے کیا حکم ہے ؟

امی اور ابا تم کو اور چھوٹی خالہ جان کو بہت سی دعائیں بھیج رہے ہیں اور یہاں کھڑی ہوئی تینوں بہنیں بھی تم کو بہت سے پیار بھیج رہی ہیں اور بڑی بہن کا منا کہہ رہا ہے کہ ممانی جان جلدی آیئے۔ مجھے امید ہے کہ تم اور چھوٹی خالہ جان اس رشتے کے معاملے

میں پوری پوری کوشش کرینگے۔ابا یہ رشتہ خالو ابا (فیروز جنگ) کے ذریعے تمہارے بابا کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں امی اور میری تینوں بہنیں لکھوار ہی ہیں کہ وہ تمہارے دیدار کی بہت مشتاق ہیں۔للہ جلدی انکو اپنا دیدار دکھاؤ!اور پھر یہ ناچیز بھی تمہاری جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے۔فوراً جوب دو تا کہ اس غریب کو اور سب بزرگوں کو تمہارے جواب سے سکون ملے۔فقط

تمہارا افروز مرزا

نوری نے مڑ کر دیکھا۔اس نے خط ماں کو دیا اور خود اپنے بستر پر گر کر زار زار رونے لگی۔ خط ختم کر کے وہ بیٹی کے پاس گئی تو اسے روتا ہوا پایا۔خود بھی رونے لگی۔پھر اسکے آنسو پونچھے۔ منہ دھلایا اور اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا۔

"بڑا تعجب ہے کہ چھوٹے دولھا بھائی نے اس رشتے کو قبول کر لیا۔

"لیکن بابا اس رشتے کو زندگی بھر قبول نہیں کرینگے۔ان کو فرزانہ بیگم سے انکے شوہر اور بچوں سے دلی نفرت ہے۔یہ رشتہ بابا کے جیتے جی تو ہرگز نہ ہو سکے گا۔نوری بولی۔

"تو پھر افروز کا کیا ہوگا۔ وہ بھی تمہارے باپ کی طرح زندہ درگور ہو جائے گا۔

"اسکا ذمہ دار کون ہے؟۔انصاف سے کہیئے!بہن کی طرفداری نہ کیجیے۔

سارہ بیٹی کا منہ دیکھنے لگی جواب نہیں دیا۔اسی وقت آیا نے آکر بیگم فیروز جنگ کی اچانک بیماری کی اطلاع دی۔اس خبر کو سنکر سارہ رونے لگی اور سر فراز احمد کی اجازت لیکر وہ فیروز جنگ کی دیوڑھی کو گئی۔



سارہ جب بہن کے پاس گئی تو دیکھا کہ وہ اچھی خاصی بیٹھی باتیں کر رہی۔وہ بہن سے لپٹ گئی۔ بڑی آپا! آپ نے اپنی بیماری کی اطلاع کیوں دی۔

"اسکے بغیر شاید تم کو یہاں آنیکی اجازت نہ ملتی بہن بولی

"ایسی کیا ضرورت تھی جو آپ نے دشمنوں کی طبعیت خراب ہونیکی اطلاع بھیجی۔

"اورنگ آباد سے فرزانہ اور انکے شوہر کا خط آیا ہے کہ میں افروز کے لئے نوری کے باپ کو پیام دوں اور یہ خط خود افروز لیکر آیا ہے۔

"اس رشتے کو نوری کے باپ ہرگز قبول نہیں کرینگے۔ان کے دل میں آجتک بھی چھوٹی آپا کی بیوفائی کی آگ بھڑک رہی ہے ابھی ابھی یہاں آنے سے پہلے میں اور بچی اسی کے متعلق باتیں کر رہے تھے ۔نوری کو تو دل سے یہ رشتہ منظور ہے مگر باپ کی وجہہ سے مجبور ہے سارہ نے کہا۔

"تم کسی نہ کسی حیلے سے اسکو یہاں لے آؤ ہم چپکے سے نکاح کر دیں گے۔

"اسکو تو ماں کے کسی بھی رشتہ دار سے ملنے کی اجازت نہیں۔وہ کیسے آسکتی ہے یہاں

"تو تم کوشش کرو! بڑی بہن بولی۔

"میں ؟ ہونھ! مجھے اس گھر میں رہتے ہوئے دو مہینے ہو گئے مگر میں نے آجتک بیرسٹر صاحب کی شکل نہیں دیکھی میرے رہنے سہنے کا حصہ مکان سے بہت دور پر ہے۔

بڑی بہن حیرت سے چھوٹی بہن کا منہ دیکھنے لگی

اور مجھے بڑی مشکل سے یہاں آنے کی اجازت ملی ہے وہ اس بات کے بھی خلاف ہیں کہ میں اپنے رشتہ داروں سے ملوں۔

"افروز تو رو رو کر جان دے رہا ہے۔ بیگم فیروز جنگ بولیں۔

"مجھے خود اسکے لئے ہمدردی ہے مگر کیا کر سکتی ہوں مجبور ہوں۔

تمہارے بڑے دولھا بھائی (فیروز جنگ) اس رشتے کی بات چیت کرنیکے کے لئے تمہارے میاں کے پاس جانا چاہتے ہیں۔

"انکو ہرگز وہاں نہ بھیجئے ۔خواہ مخواہ توہین کرینگے وہ بڑے دولھا بھائی کی سارہ بولی

"یہ معاملہ تو بہت پیچیدہ ہو گیا ہے۔

"اس کی ذمہ دار چھوٹی آپا صاحبہ ہیں۔وہ اپنے کئے کا پھل بھوگ رہی ہیں۔

اور کیا۔بیرسٹر صاحب نے نوری کے لئے لڑکا ڈھونڈ لیا ہے۔فوج میں کیپٹن ہے۔

"تو اب کیا ہو گا؟

"شاہدہ (فیروز جنگ کی لڑکی) سے بیاہ کر دیجئے افروز کو وہ بھی تو بہت پسند کرتی ہے اسے

بیگم فیروز جنگ بہن کا منہ دیکھنے لگی۔

"کیا ٹھیک نہیں رہے گی یہ جوڑی؟

"میں تو آج کر دوں۔ افروز بھی تو قبول کرے۔

"میں اسے راضی کر لونگی۔ سارہ نے جواب دیا۔ کچھ دیر بعد افروز آیا۔ اس نے خالہ کی خوب منت و سماجت کی تو اس نے بتایا کہ یہ شادی انہونی ہے۔ اس لئے وہ شاہدہ کو قبول کرے وہ گھنٹوں اسے شاہدہ کیلئے سمجھاتی رہی مگر اس نے قبول نہیں کیا۔ سارہ کے ذریعے اسے معلوم ہوا کہ نوری کو بھی یہ رشتہ دل سے قبول ہے۔ سارا خاندان اس رشتے سے خوش ہے اگر کوئی ناخوش ہے تو صرف نوری کا باپ۔ اسے یہ رشتہ کسی طرح پسند نہیں۔

سارہ واپس چلی گئی۔ افروز نوری کو حاصل کرنیکے بارے میں سوچنے لگا۔ فیروز جنگ کو مجبوراً افروز کی خاطر بذریعہ خط یہ رشتہ سر فراز احمد کے سامنے پیش کرنا پڑا جسکو اس نے انتہائی حقارت و نفرت کے ساتھ نامنظور کر دیا۔ اس کے بعد افروز نے پھر سوچنا شروع کیا۔ اس نے خود ایک خط سر فراز احمد کو نوری کے بارے میں لکھا۔ اس نے ہزاروں بار معافیاں مانگ کر انتہائی منت و عاجزی کے ساتھ یہ خط لکھا تھا جسکو پڑھکر سر فراز احمد کے تن بدن میں آگ لگ گئی اس نے اس دفعہ بھی انتہائی نفرت اور حقارت کے ساتھ اس کی درخواست کو نامنظور کر دیا۔ ہفتہ بعد اسے اطلاع ملی کہ افروز نے زہر کھالیا ہے بڑی مشکل سے زہر خارج کیا گیا اور اب وہ کسی قدر بہتر ہے اسکے چوتھے روز کیا دیکھتا ہے کہ فرزانہ اسکے گھر آئی اور اسکے پیروں پر سر رکھ کر التجا کی کہ اسکے لڑکے کو دامادی میں قبول کرلے ورنہ وہ اپنی جان دے دیگا۔ باوجود انتہائی نفرت و غصے کے سر فراز احمد فرزانہ کو اپنے گھر سے نہ نکال سکا لیکن اس نے اس سے کسی قسم کی بات چیت نہیں کی۔ اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھکر وہ واپس چلی گئی اس کی دوسری صبح کو سر فراز احمد کا گھر میں کہیں پتہ نہ تھا۔ اسکے دوست احباب کے گھروں میں دریافت کیا گیا ہر جگہ تار اور فون کئے گئے مگر کہیں اسکا سراغ نہیں ملا روتے روتے نوری کا حال برسوں کے بیمار سے بدتر ہو رہا تھا۔ اس نے اسکے میز کے دراز میں دیکھا اس کے نام کا بند خط ملا۔ لکھا تھا۔

بیٹی نوری!

پروردگار تم کو دنیا میں ہمیشہ خوش و خرم رکھے! آمین ہاں تو میں نے تمہیں پالا پرورش کیا۔ ایک باپ کا فرض ادا کیا۔ تم اپنی ماں سے کیا ملیں کہ ماں کے سارے عزیز تم

سے آملے اور سب تمہیں دل سے چاہتے ہیں تمہاری اور تمہارے ماں کے رشتہ داروں کی یہی مرضی ہے کہ تم انہی کے گھر بہو بنکر جاو! وہ تمکو اپنے خاندان میں داخل کر لینا چاہتے ہیں۔ دنیا میں صرف میں ہی ایک ایسا بدنصیب ہوں جسکا کوئی نہیں جوانی میں معشوقہ نے بیوفائی کی تو بیٹی کی محبت حاصل کر کے میں اس غم کو قریب قریب بھول گیا تھا مگر بیٹی کی بیوفائی نے پھر میرا پرانا زخم ہرا کر دیا۔ ایسی دنیا میں رہ کر کیا کروں جہاں پر کہ میرے زخموں پر نمک پاشی کی جارہی ہے اس لئے جارہا ہوں "کہیں دور جہاں مجھے کوئی جاننے پہچاننے والا ہو اور نہ میری موت پر آنسو بہانے والا۔ اور میرا جسم جنگلی جانوروں کی غذا بن جائے میں نے اپنی ساری ملکیت یتیم خانے کے لئے وقف کر دی ہے یہ جائیداد میں نے تمہارے نام اس لئے نہیں کی کہ فرزانہ کو فائدہ ہو گا۔ کچھ روپیہ اپنے نوکروں کے نام رکھا ہے وہ ان سب کو دیدو!

تمہارا بدنیصب باپ

سرفراز احمد

خط پڑھ کر نوری چلا چلا کر رونے لگی گھر کے نوکروں نے یہ خبر ماں کو پہونچائی اور وہ دوڑتی ہوئی آئی اور بیٹی کو سینے سے لگا کر پوچھا کیا ہوا میری جان روتی کیوں ہو! اور نوری بغیر جواب دیئے روئے جارہی تھی۔ جب ماں نے زیادہ اصرار کیا تو باپ کا خط اسکے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ سارہ نے پڑھا۔ اسکی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں گرنے لگیں۔

O

جب سرفراز احمد کے لاپتہ ہونیکی اطلاع ملی تو سارے عزیز و قریب نوری کے پاس جمع ہوئے۔ وحید مرزا فرزانہ اور افروز بھی پہونچے سب رشتہ دار اسے تسلی دلاسا دینے لگے۔ اور سب نے یہی رائے دی کہ اس سے بہتر موقعہ اسکو نہ مل سکے گا وہ فوراً افروز سے بیاہ کر لے۔ اور اس بات کی پوری پوری امید ہے کہ اس کا باپ ضرور واپس آئے گا۔

نوری سر جھکائے آنسو بہاتی ہوئی سبکی باتیں سن رہی تھی۔ افروز اسکے پاس گیا۔

"مجھے افسوس ہے نوری تمہارے بابا کے لاپتہ ہونے کا۔ نوری نے جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"مجھے امید ہے کہ تمہارے بابا ضرور ایک دن واپس آجائینگے نوری چھپ تھی۔ نوری خدا کے لئے کچھ تو کہو! نہیں تو میں پاگل ہو جاؤنگا۔ نوری بالکل ساکت تھی۔

"کہو! میرے لئے کیا حکم ہے! افروز نوری کو دیکھنے لگا۔ نوری نے اپنے آنسو پونچھے کیا چاہتے ہیں آپ؟

"میں سدا تمہارے قدموں میں رہنا چاہتا ہوں افروز نے انکساری کے ساتھ کہا"

"مجھے آپ سے بہت ہمدردی ہے لیکن کیا کروں مجبور ہوں۔ بابا کے خلاف مرضی آپکی یہ درخواست منظور نہیں کر سکتی۔ مجھے دنیا میں اگر کسی کی خوشی منظور ہے تو صرف میرے مظلوم بابا کی۔ انکا دل جوانی ہی سے زخمی ہے۔ میں انکے زخموں پر نمک پاشی نہیں کر سکتی۔ مجبور ہوں۔ آپ کوئی دوسرا انتظام کرلیں!

"نوری! افروز چلایا۔ یہ ناممکن ہے نوری میں تمہارے بغیر زندہ درگور ہو جاونگا وہ رو پڑا۔

"ایک عورت کے لئے ایک فانی جسم کے لئے آپ اتنا بیقرار ہو رہے ہیں؟ بڑے افسوس کی بات ہے شادی کر لیجئے آپکی ساری پریشانیاں دور ہو جائینگی۔

"میں تمہارے سوا کسی سے شادی نہیں کر سکتا۔

"مجھے فرزانہ بیگم کے بیٹے سے شادی کرنا بالکل پسند نہیں۔ جسکی وجہ سے میرے بابا کی زندگی تباہ و برباد ہو گئی اور آپکی والدہ محترمہ کی بیوفائی کا زخم آج تک انکے دل میں ہرا ہے۔

"تم کو تو مجھ سے محبت ہے نوری؟ افروز گڑگڑایا۔

"لیکن اس محبت سے کئی گناہ زیادہ میرے باپ کی محبت کا خیال ہے۔ میں اپنے بابا سے آپ سے بھی کئی گناہ زیادہ محبت کرتی ہوں۔ مجھے ایسی محبت نہیں چاہئیے۔ جس سے میرے بابا کے زخموں پر نمک پاشی ہو

"نوری ہوش میں آؤ کیسی باتیں کر رہی ہو؟

"میں بالکل ہوش میں رہ کر باتیں کر رہی ہوں آپ چلے جایئے یہاں سے اور مجھے بابا کے ڈھونڈنے کی تدبیریں کرنے دیجئے!

افروز انتہائی رنج و غم کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ اور اپنے والدین کو یہ خبر پہونچائی اسوقت دونوں بیٹے کو لیکر چلے گئے لیکن فیروز جنگ انکی بیوی اور بچے یہیں رہے۔

نوری نے شوفر کے ذریعہ اپنے ہونے والے دولھا عاطف کو بلوایا۔ وہ شوفر کے ساتھ آیا۔
نوری نے اسے ایک چھٹی دی! لکھا تھا۔

محترمی کیپٹن صاحب

تسلیم عرض! غالباً آپکو بابا کے لاپتہ ہونیکا حال معلوم ہو گیا ہو گا۔ براہ کرم انکی تلاش کے لئے مختلف اخباروں میں اشتہار دیدیجئے۔

ناچیز نوری

عاطف چھٹی پڑھکر مسکرایا۔ شوفر سے پوچھا" بی بی صاحبہ کہاں ہیں؟
شوفر نے جواب دیا اسکرین کی آڑ میں..
عاطف نے کہا دیکھئے آپ تو اعلی تعلیم یافتہ ہیں مجھ سے بات کرسکتی ہیں۔ چھٹی لکھنے کی کیا ضرورت تھی وہ مسکرا رہا تھا۔ اسنے شوفر کو باہر جانیکے لئے کہا اسکے بعد وہ اسکرین کے قریب گیا۔ اتنی پڑھی لکھی ہو کر آپ مجھ سے بات کرنے میں تکلف کر رہی ہیں۔ میں آپکے حسب الحکم ضرور اخباروں میں اشتہار دیدونگا۔ آپ مطمئین رہیں!
جواب میں خاموشی تھی۔ کچھ دیر بعد سسکیوں کی آوازیں سنائی دیں عاطف بولا۔ "آپ روتی کیوں ہیں۔ خدا پر بھروسہ رکھیئے۔ چچا جان کا پتہ ضرور مل جائے گا۔
"انکے واپس آنے کی ایک ہی صورت ہے۔ سسکیوں سے ہلکی ہلکی آواز نکلی
"کونسی؟ عاطف نے اپنے کان پردے سے لگادیئے۔
"ان اشتہارات کے ساتھ اگر ایک فوٹو بھی چھاپ دی جائے تو میرے بابا ضرور واپس آجائیں گے۔ ورنہ وہ کبھی واپس نہیں آئینگے وہ اپنے قول و فعل کے پکے ہیں۔ نوری ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ سے بولی۔
"فرمایئے کس کی تصویر؟ عاطف پردے کے بالکل قریب تھا
کچھ دیر خاموشی رہی۔ عاطف نے پوچھا۔ کہیئے! مجھ سے کچھ نہ چھپایئے! نوری نے آنسو پونچھکر سوال کیا۔ کیا افروز مرزا کے متعلق کچھ جانتے ہیں آپ۔ جی ہاں۔ چچا جان نے مجھے سب کچھ بتادیا ہے یہی کہ۔۔۔ خیر جانے دیجئے!
اب ان باتوں کا موقعہ نہیں رہا۔

"کچھ تو بتائیے کہ بابا نے آپ سے کیا کہا؟

"یہی کہ انکو آپکا عقد افروز مرزا صاحب سے کرنا بالکل پسند نہیں۔

"آپ جانتے ہیں کہ اسی غلط فہمی کا شکار ہو کر بابا گھر چھوڑ کر چلے گئے۔

"جی ہاں"

"بابا کے جانے سے ایک روز پہلے ان کی والدہ یہ درخواست لیکر آئی تھیں۔ انھوں نے یہ خیال کیا کہ میں بھی خالہ کی اور اپنے رشتہ داروں کی ہم خیال ہوں۔ بس اسی لئے وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے۔

"آخر اس ناراضی کی وجہ کیا ہے جب آپ دونوں ایک دوسروں کو پسند کرتے ہیں اور پھر وہ آپکی حقیقی خالہ کے لڑکے ہیں۔ اچھا خاصا رشتہ ہے سمجھ میں نہیں آتا چچا کیوں اتنے متاثر ہوئے۔

"یہ ایک لمبی داستان ہے۔ ہاں تو اس فوٹو کے بارے میں آپکا کیا خیال ہے۔

"فوٹو کا مطلب ہی کچھ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے

"اب میں کیا کہوں۔ کیسے سمجھاؤں؟

"صاف صاف کہہ دیجئیے! تکلف نہ کیجئے!

"آپ جانتے ہیں میں نے آپکو کیوں بلایا ہے

"اشتہارات وغیرہ دینے کے لئے۔

"یہ بھی ہے اور پھر اس لئے بھی کہ ابا نے آپکو پسند کر لیا ہے یہ جملہ ادا کر کے نوری سر سے پیر تک پسینے میں ڈوب گئی۔

"جی ہاں یہ تو میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ عاطف ہنس پڑا۔

"تو بس فوٹو کی تدبیر کیجئے!

"کیسے" اسنے ہنستے ہوئے سوال کیا

"آپ اس مسئلہ کو بوجھئیے!

"آپ ہی بتائیں! میں اس مسئلے کو بوجھنے سے مجبور ہوں

دو منٹ بعد نوری نے جواب دیا۔ شوفر کو بھیجئے!

"کس لئے؟
"میں لکھکر دوں گی آپکو
"میں یہیں اسکرین کے قریب ہوں۔ لکھکر دیجئے! پانچ چھ منٹ بعد کاغذ کا ایک پرزہ اسکیرن کے باہر تھا لکھا تھا۔
" ہم دونوں کی فوٹو۔ اوراس کے نیچے یہ لکھا جائے کہ ان کی شادی فلاں تاریخ کو ہوگئی۔ کوئی ایک تاریخ درج کیجئے! یہ تصویر دیکھتے ہی بابا فوراً واپس آجائینگے۔ پرزہ پڑھکر عاطف ہنسا۔ آپ تو اسقدر پردہ کرتی ہیں۔ ہم دونوں مل کر فوٹو کیسے لینگے؟
" جی میں اسٹوڈیو چلی چلوں گی۔ وہ بہت ہی آہستہ سے بولی
بلا شادی کے شادی کی تاریخ کیسے لکھی جائے؟
نوری سوچنے لگی
"کہیئے کیا ارشاد ہے؟
نوری نے جواب نہیں دیا
"جی یہ بلا شادی کے شادی کی تاریخ کیسے لکھی جائے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔
"اگر مانیں تو ایک بات کہوں؟
"فرمایئے!
"پہلے کورٹ میرتج پھر فوٹو! کہیئے کیا ارادہ ہے آپکا۔ بغیر شادی کے یہ فوٹو ایک دھوکہ ہے۔ اور پھر باقاعدہ شادی تو اتنی جلدی ہوگی نہیں آپ امی سے کہیئے نوری کے جانے کے دس بارہ منٹ بعد سارہ آئی اس نے کہا عاطف میاں ہیں؟
"جی چچی جان تسلیم عرض کرتا ہوں
"کیا ارادہ ہے تمہارا
"جی۔ جی وہ میں نے نوری بیگم سے کہدیا ہے
"اس نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا۔ تم ہی کہو بیٹا!
عاطف نے فوٹو کی کیفیت اور اپنی رائے سارہ کو بتائی۔ یہ کورٹ میرتج تو اچھی چیز نہیں ہے۔ آج سے چوتھے روز تمہاری شادی ہی ہوگی۔ ہم کو کورٹ میرتج یا چوری چھپی بیاہ کی کیا

ضرورت ہے جبکہ بیرسٹر صاحب نے خود تم کو قبول کرلیا ہے۔

"جو آپکی مرضی

"ہاں مگر اپنے والدین کو شادی کی اطلاع دیدینا!

"میرے کوئی والدین ہی نہیں ہیں۔ انکو بہشت سدھارے زمانہ ہوا۔ ایک خالہ ہیں دو ماموں ہیں انکے بچے وغیرہ ہیں تار دیدونگا آجائینگے۔

"کہاں رہتے ہیں وہ؟

"جی ضلع نظام آباد

"کچھ دور نہیں ہیں۔ فوراً ٹرنک کال کرو!

"جو آپکا حکم! تسلیم عرض!

جیتے رہو! اللہ عمر و اقبال میں ترقی دے۔



فیروز جنگ' بیگم فیروز جنگ اور انکے بچے گھر ہی میں تھے۔ اسی شام کو نوری کو مانجھے بیٹھایا گیا۔ عاطف کے رشتہ دار نہیں آئے تھے اس لئے اسکے مانجھے کی رسم کو بھی سر فراز کے گھر ہی میں پورا کیا گیا۔ دوسرے روز عاطف کے عزیز آگئے۔ سانچق کا رسم ہوا۔ تیسری رات مہندی کی ریت پوری کی گئی اور چوتھی صبح کو عاطف کے عقد نکاح میں نوری منسلک کردی گئی۔ اسی وقت فوٹو گرافر بلایا گیا اور دولھا دلھن کی تصویر لی گئی۔ دوسری صبح کو چوتھی سے پہلے عاطف اور نوری نے مل کر اپنی یہ تصویر اشتہارات کے ساتھ اخباروں میں شائع کروادی' اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ان کی چوتھی کی رسم ادا ہوئی۔ دعوت ولیمہ سر فراز احمد کی آمد کے لئے ملتوی کردی گئی۔ اب دن رات نوری باپ کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔ سوائے رات دن نمازیں پڑھنے اور رو رو کر دعائیں مانگنے کے اسے کوئی کام نہ تھا۔ تھی تو نئی دلھن مگر کنگھی چوٹی۔ مسی۔ کاجل۔ عطر۔ تیل۔ پھول افشاں کسی چیز سے اسے دلچسپی نہ تھی۔ سارہ ہی زبردستی کر کے اسکا بناو سنگار کردیا کرتی تھی۔ کوئی باہر سے آتا تو اسے ہول ہونے لگتا کہ نہ معلوم اس کے باپ کی کیا خبر لایا ہے۔ ایک دن یہ خبر پھیل گئی کہ سر فراز احمد کا انتقال ہو گیا۔ اب کیا تھا نوری نے سر و سینہ پیٹ کر رونا شروع کیا کسی کے

سمجھانے سے اسے تسلی نہ ہوئی اسنے باپ کا دسواں۔ بیسواں۔ مہینہ سب کچھ کیا اور صبر کر کے بیٹھ رہی۔ ایک روز وہ شوہر سے بولی۔

"بابا کا غم میرے لئے ناسوز بن گیا ہے ۔ان کی مظلومی یاد آتی ہے تو دل میں برچھیاں سی لگتی ہیں۔ اس تمام بربادی کا باعث فرزانہ بیگم ہیں۔ وہ رونے لگی

"کون فرزانہ بیگم۔ عاطف نے سوال کیا

"افروز مرزا کی والدہ

"کیا واقعہ ہے ان کا؟ جس سے چچا اتنے متاثر ہوئے؟

نوری نے فرزانہ کی داستان شوہر سے بیان کی

"اسی لئے چچا کو ان کے خاندان سے اتنا بیر تھا۔ خیر اب جانے دو! جو ہونا تھا ہو چکا۔ مشیت ایزدی میں کیسکو چارہ نہیں۔ میں تو زندگی بھر تمہاری خدمت کرنے کو تیار ہوں۔ اس نے نوری کے آنسو پونچھے!

"لیکن میں نے بابا کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ چاہا ہے۔

"مجھ سے بھی زیادہ؟ عاطف بیوی کا غم مٹانے کے لئے سوال کیا۔

نوری نے جواب نہیں دیا۔ پر نم آنکھوں سے شوہر کو دیکھکر مسکرائی۔ وہ ہنس دیا۔ اسی وقت نوری کے نام ایک خط آیا۔

میری پیاری بیٹی نوری !

دعا و دیدہ بوسی تم دونوں میاں بیوی کے لئے۔ دو ہفتے ہوئے میں نے تمہارے اشتہارات پڑھے۔ تمہاری اور عاطف کی شادی کی فوٹو دیکھی۔ دلکو سکون ملا۔ معلوم ہوا کہ کسی نے کہیں دور سے میرے زخموں کے لئے مرہم بھیجا ہے۔ میری بچی میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں۔ تم نے واقعی ایک سعادتمند بیٹی کا فرض ادا کیا ہے۔ اللہ پاک تم کو دین و دنیا کی بہتری و سرخروی عطا فرمائے آمین ثم آمین اس خط کو دیکھتے ہی مندرجہ بالا پتے پر اپنے دولھا اور ماں کو لیکر چلی آؤ! تمہارا باپ کہیں دور بیٹھا تم لوگوں کی آمد کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔

فقط

تمہارا باپ سرفراز احمد

خط پڑھ کر نوری شادی مرگ کے قریب پہونچ گئی۔ بڑی مشکل سے طبعیت سنبھلی۔ تمام عزیز و قریب باپ کی سلامتی کی مبارکباد دینے کے لئے جمع ہوئے۔

نوری نے فوراً ہی باپ کو اپنے آنے کی اطلاع دی اور تاریخ مقررہ پر شوہر ماں اور دو ملازموں کو ساتھ لیکر باپ سے ملنے کے لئے اوٹی روانہ ہوئی۔

ختم شد



(افسانہ)

اچھی صورت بھی کیا بری شئے ہے

دہلی سے حیدر آباد جانے والی گاڑی کے آنے میں ابھی تھوڑی دیر باقی تھی۔ سگنل بھی گرا نہیں تھا۔ مسافر شانہ بہ شانہ گاڑی کے انتظار میں کھڑے تھے۔ اسی آنے جانے میں ایک مہذب خاتون ایک معزز حضرت سے ٹکرا گئیں۔

"ذرا دیکھکر چلا کیجئے! یہ عورتوں کو ٹکر دینے کا آپ لوگوں کا بہت برا اور نیچ طریقہ ہے۔ مہذب خاتوں ایک ہاتھ سے چشمہ اور دوسرے ہاتھ سے شانوں پر پڑی کشمیری شال کو درست کرتے ہوئے ناک بھویں سکیڑ کر کہا۔

"اکسکیوزمی پلیز صاحب موصوف نے چشمے کو دستی سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ مہذب خاتون نے ایک مرتبہ پرس میں ٹکٹ دیکھا۔

ٹرین آگئی۔ مسافر تیزی سے گرتے پڑتے کودتے پھاندتے دوسروں کو ڈھکیلتے ہوئے سوار ہونے لگے۔ جب گاڑی چلنے لگی تو فرسٹ کلاس کے مسافروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ او! آپ؟ معزز حضرت نے مہذب خاتون سے پوچھا۔

"جی! اور آپ بھی! وہ مسکرا پڑیں۔

"کہاں جارہی ہیں آپ؟

"یہ گاڑی تو حیدر آباد جارہی ہے۔ خاتون اسی طرح مسکرا رہی تھیں تنہا جارہی ہیں آپ؟

"اس سے آپ کا مطلب؟ خاتون گرج پڑیں۔ دستی سے چشمہ صاف کرنے لگیں۔

دوسرے مسافران دونوں کی باتیں سننے لگے۔

"ناراض نہ ہوجیئے! میں تو یوہی پوچھ رہا تھا۔

"ہاں تنہا جارہی ہوں۔ انھوں نے چشمہ آنکھوں پر رکھ لیا دہلی میں میری ایک سہیلی رہتی ہیں ان کے پاس چھٹیاں گزارنے گئی تھی۔

"یوں فرمایئے کہ آپ برسر ملازمت ہیں۔

"جی ہاں

"معزز حضرت نے اپنی قمیص کی شکن کو درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہیں حیدر آباد میں مکان ہے آپ کا؟

"جی" خاتون موصوفہ نے جواب دیا

" آپ کے شوہر کہاں رہتے ہیں؟

"جی عالم بالا میں جاکر انہیں پچیس برس ہوگئے خاتون نے ایک لمبی ٹھنڈی سانس لی۔

کوئی بال بچہ نہیں؟

"چھ بچے ہوئے اور سب کے سب بچپن میں میٹھی نیند سوگئے۔ خاتون نے سر جھکا لیا۔ چشمہ انکے آنسوؤں سے بھیگنے لگا۔ گاڑی میں ایکدم سناٹا چھا گیا سب کی آنکھیں نم ہوگئیں تھوڑی دیر تک گاڑی میں بالکل سکوت رہا ویسے بھی فرسٹ کلاس میں گنتی کے تو مسافر ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے اپنے تھرماس سے سب کو چائے دی۔ معزز حضرت نے ابلے ہوئے انڈے تلے ہوئی مچھلی کے ٹکڑے ٹوسٹ مکھن وغیرہ سب کو دیا۔ خاتون نے تھرماس سے ایک مرتبہ اور سب کو چائے دی ایک اور خاتون نے سب کے لئے پان بنائے۔ وہ بولیں۔ بھئی! مسافر خلیق ہوں تو راستہ بہت اچھا کٹ جاتا ہے۔

"ٹھیک فرماتی ہیں آپ معزز حضرت نے کہا۔ مردوں نے سگریٹ اور سگار جلائے۔ معزز حضرت نے قیمتی سگار کا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایک اچھے مکان کی ضرورت ہے۔ آپ خواتین وحضرات میں سے کوئی نہ کوئی میری مشکل کو حل کرسکتے ہیں۔ کچھ وقفے کے بعد خاتون بولیں میرا اپنا مکان خالی ہے آپ چاہیں تو رہ سکتے ہیں لیکن کرایہ ذرا زیادہ ہے

"کتنا کرایہ ہے؟

"یہی کوئی ڈھائی ہزار

"کوئی بات نہیں میں دے سکتا ہوں۔ پتہ لکھ دیجئے! خاتون نے پتہ تحریر کیا بیوی بچے کہاں ہیں آپ کے؟

"دوسری دنیا میں! معزز حضرت نے سگار کا ایک لمبا کش لیا۔ مسافروں نے ایک مرتبہ پھر غمگین نگاہوں سے اپنے ساتھی کو دیکھا انھوں نے پتہ پڑھا بنجارا ہلز پر ہے آپ کا مکان؟

"جی

"دوسری خاتون بولیں۔ اسے تو ہم لوگ حیدر آباد کا کشمیر کہتے ہیں۔ مہذب خاتون بولیں۔ اتنا پر فضا مقام ہے کہ آپ اپنا وطن بھول جائیں گے۔

مہذب خاتون نے کہا۔ سنتے ہیں کہ شمالی ہند کے اضلاع میں شدت کی سردی ہوتی ہے۔ جسکی وجہ سے وہاں لوگوں کو منوں وزنی لحاف اوڑھنے پڑتے ہیں اور گرمی ایسی ناقابل برداشت کہ لوگ تمام دن کمروں میں پنکھے چھلتے رہتے ہیں۔ تہہ خانوں میں بند ہو جاتے ہیں لو سے بیسوں آدمی ہلاک ہوتے ہیں باہر نکلنا ہو تو بھیگے ہوئے کپڑے سروں پر ڈالنے پڑتے ہیں اور بارش ایسی موسلادھار کہ جیسے جیسے بارش ہوتی ہے ویسے ویسے گرمی سے اتنے پسینے چھوٹتے ہیں کہ دوزخ کا مزہ ملتا ہے اور آندھیاں ایسی کہ بچے مکان سب کو اڑا لے جائیں۔

"قدرت وہاں کی آب و ہوا ہی ایسی رکھی ہے۔ اس میں کوئی کیا زبان ہلا سکتا ہے۔ معزز حضرت نے جواب دیا۔

اور ہمارے دکن کی آب و ہوا ملاحظہ فرمائیے! معتدل خوشگوار! نہ زیادہ سردی نہ بارش نہ گرمی ہر موسم ایسا ہوتا ہے کہ انسان بہ خوشی برداشت کر لیتا ہے۔ خاتون نے فخر سے کہا۔ ساتھی ہنسنے لگے۔ آپ لوگ خوش نصیب ہیں کہ پروردگار عالم نے آپکو ایسے خوشگوار اور معتدل مقام پر پیدا کیا ہے۔ معزز حضرت نے کہا۔ ایک مرتبہ سب مسکرائے

"لیکن ایک بات کی آپ کے پاس بہت بڑی کمی ہے۔ معزز حضرت بولے وہ کیا؟ ایک صاحب نے پوچھا۔

"گنگا جمنا کی بدولت جو پیداوار شمالی ہند میں ہوتی ہے آپ لوگ اس سے محروم ہیں۔ وہاں ہر چیز کی افراط ہے ہر قسم کی پیداوار۔ معزز حضرت نے مسکرا کر بچا ہوا سگار کھڑکی سے باہر پھینکدیا۔ میں آج سے کئی سال پہلے حیدر آباد گیا تھا۔ ضعیف العمری کی وجہ سے شمالی ہند کی آب وہوا میرے لئے سوہان روح بن گئی ہے۔ اس لئے مستقل طور پر حیدر آباد کو وطن بنانا چاہتا ہوں۔ محترمہ! میں دو دن کسی ہوٹل میں قیام کر کے آپکے دولت خانہ پر حاضر ہونگا۔

"جیسی آپکی مرضی۔ مہذب خاتون بولیں کچھ سکوت کے بعد سب لوگ اپنی اپنی پسند کی کتابیں اور رسالے نکال کر پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔



تیسرے دن معزز حضرت خاتون موصوفہ کے مکان پر گئے۔ انھوں نے مکان بتایا۔ پسند آیا اسی وقت کرایہ نامہ لکھدیا۔ تو رضیہ بانو ہے آپکا نام معزز حضرت نے کرایہ نامہ لکھتے ہوئے پوچھا۔ بیرسٹر سید وجاہت حسن ایم اے' ایل ایل بی کرایہ نامہ میں رضیہ بانو نے کرایہ دار کا نام پڑھا۔ بیرسٹر سید وجاہت حسن رضیہ بانو کے عالیشان بنگلہ "ضیائے فردوس" کے ایک بنگلے میں رہ کر گئی ملازموں کی خدمات حاصل کر کے بڑی شان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اسی طرح سات آٹھ مہینے بیتے۔

بڑے اعلیٰ پیمانہ پر بیرسٹر سید وجاہت حسن نے اپنی باسٹھویں سالگرہ کا جشن منایا۔ رضیہ بانو بھی مدعو کی گئیں اس کے چار ماہ بعد رضیہ بانو نے اپنی سالگرہ اور بھی زور دار طریقے پر منائی ۔ یہ انکی چوپنویں سالگرہ تھی اس عمر میں بھی رضیہ بانو کے چہرے پر ملائمت دیکھکر بیرسٹر صاحب دنگ رہ گئے۔ اس عمر میں بھی کتنی پرکشش ہیں یہ! وہ اپنے آپ بولے دوسرے دن تعطیل تھی بیرسٹر صاحب رضیہ بانو کے پاس گئے۔

"آیئے آیئے! تشریف لایئے! میں ابھی ابھی یاد کر رہی تھی آپکو۔ مکھن، ٹوسٹ، تلی ہوئے مچھلی اور ابلے ہوئے انڈے آپکو بہت پسند ہیں نا میں آپ کے لئے بھیجنے والی تھی اچھے موقع پر آگئے آپ وہ بیرسٹر صاحب کو لیکر ڈیننگ روم میں گئیں۔ بیرسٹر صاحب ہنسنے لگے۔

"اتنا خیال کرتی ہیں آپ میرا! سچ تو یہ ہے کہ ہمسایہ اچھا نہ ہو تو زندگی دوزخ بن جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپکے حسن اخلاق سے میں بہت خوش ہوں۔

رضیہ بانو نے میز پر رکھی ہوئی چیزوں پر سے ڈھکن اٹھائے بیرسٹر صاحب مسکے دار ٹوسٹ کے ساتھ مچھلی کھانے لگے۔ ویری گڈ! آپکا کک قابل تعریف ہے۔ اسے انعام دینا چاہیئے ۔ مچھلی بڑی اچھی تلی ہے۔ ڈیڑھ فٹ لمبی مچھلی اور ثابت تل ڈالی۔ وہ مچھلی کا گوشت کانٹے اور چھری کی مدد سے نکالتے ہوئے بولے

"برا کیا آپ نے عقد ثانی کر لینا چاہیئے تھا آپکو! بیوہ ہوتے وقت تو کم عمر تھیں آپ!

"جی ہاں! رضیہ بانو نے سر جھکا لیا۔

"کسی نے آپکو رائے بھی نہیں دی؟

"دی تھی۔ مگر مجھے عقد ثانی پسند نہ تھا۔ برا ہو اس شرم کا عقد ثانی کے نام سے بھی شرم آتی تھی۔

"آج کل کی کنواری لڑکیاں تو اپنے بر آپ پسند کر رہی ہیں۔ بیرسٹر صاحب نے کہا

"خدا کی مار ایسی بے غیرتی پر

وجاہت حسن نے ابلے ہوئے انڈے پر نمک کالی مرچ چھڑکتے ہوئے کہا۔

پچیس (۲۵) سال کچھ کم وقفہ نہیں ہے۔

رضیہ بانو نے جواب دیا۔ "بات دراصل یہ ہے بیرسٹر صاحب کہ نوکری اور شادی دو چیزیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں۔ شادی کے وقت میں ملازم تھی۔ میرے شوہر جنت مکان نے فوراً میری ملازمت ختم کروادی انکا خیال تھا کہ نوکری اور گھر دار وقت واحد میں عورت سنبھال نہیں سکتی۔ کیونکہ ملازمت کی پابندی کرتے ہوئے اسے اپنا شوہر اور بچے نوکروں کے حوالے کرنے پڑتے ہیں زبردست اثر بچوں پر پڑتا ہے کہ ماں اپنے بچوں کو جیسی کہ چاہیئے ویسی تربیت نہیں دے سکتی۔ دوسروں کے بچوں کے لئے ایک ٹیچر کو اپنے شوہر اور بچوں کے آرام کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اس سے تو ایک غریب عورت کا شوہر اور ان کے بچے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ وہ ہر وقت انکی خدمت کیا کرتی ہے اور اپنے گھریلو فرائض

انجام دینا زندگی کی اہم ترین چیز سمجھتی ہے۔ فرمایئے کیا خیال ہے آپکا۔ رضیہ بانو نے چائے کی پیالی بیرسٹر وجاہت حسن کی طرف بڑھائی۔ ہا۔ ان۔ بیرسٹر وجاہت حسن نے پانی کا گلاس میز پر رکھکر ہاتھ پونچھے۔ اس معاملے میں صدفی صد میں آپکے شوہر مرحوم جنت مقام کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔ دو تین گھونٹ چائے پی کر وہ بولے لیکن جو بچوں سے نا امید ہو گئی ہو اس عورت کو ضرور عقد کر لینا چاہئے۔

رضیہ بیانو نے ایک مرتبہ نظریں اٹھا کر بیرسٹر صاحب کی طرف دیکھا

"سچ تو یہ ہے بیرسٹر صاحب گو شریعت اچھی چیز ہے۔ عورت پردے میں چھپی رہے تو کوئی اسے بری نظر سے نہیں دیکھتا میں تو سمجھتی تھی کہ بڑھاپے میں خواہشات ختم ہو جاتے ہیں مگر آپ کی باتیں سنکر بڑی حیرت ہو رہی ہے مجھے۔

"بیگم صاحبہ! اچھی صورت ہر عمر میں پسند کی جاتی ہے بقول شاعر

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے

جس نے ڈالی بری نظر ڈالی

'تو آپ کو اس عمر میں کون بیٹی دیگا؟ رضیہ بانو قہقہہ مار کر ہنسنے لگیں بیرسٹر وجاہت حسن نے چائے ختم کر کے دستی سے منہ پونچھا۔

" اجی گولی ماریئے۔ جوان لڑکی سے شادی کرنے والے بوڑھے کو میں ایسے بوڑھے پر ایک نہیں ایک کروڑ بار لعنت بھیجتا ہوں وجاہت حسن کا لہجہ سخت تھا۔ میرا مطلب تو یہ ہیکہ بوڑھے کو بوڑھی عورت ہی سے عقد کرنا چاہئے۔ یہ کیا بات ہے بھئی کہ بوڑھا شادی کرے تو عیب نہیں اور اگر بوڑھی عورت شادی کرے تو سب اسکا مذاق اڑاتے ہیں ہمارا سماج بھی عجیب وغریب ہے۔ مرد کے لئے تو زندگی کی تمام آسائشیں ہیں اور عورت کے لئے دنیا کو تنگ کر دیا گیا ہے۔ یہ سخت ناانصافی ہے وہ پھر جوش میں آگئے۔ مرد کو غلطی کی سزا دی جاتی ہے اور نہ اسکے عیب کو عیب سمجھا جاتا ہے۔ بیچاری عورت سے اس بدبخت سماج کو کیوں اتنا بیر ہے آخر؟ اور یہی مرد ڈنکا بجاتے پھرتے ہیں کہ ہم تو عورت کی پرستش کرتے ہیں اسکے آستانے پر سر جھکاتے ہیں جھک مارتے ہیں۔

’’بیرسٹر صاحب عورت کا دشمن مرد نہیں بلکہ خود عورت ہوتی ہے ایک مرد کے خیالات کو دوسری عورت کے طرف سے خراب کرنے والی اسے ملزم و مجرم ٹھہرانے والی خود اس کی ہم جنس عورت ہے۔اور مرد؟ مرد حقیقت میں اسکی پوجا کرتا ہے اس لئے اس کی ہر جھوٹ کو سچ سمجھکر اس کو خوش کرنے کیلئے دوسری عورت کو برا سمجھتا اور کہتا ہے۔

’’سچ کہتی ہیں آپ۔ تو پھر ہم دونوں کو اس سماج کے منہ پر لات مارنے کیلئے تیار ہو جانا چاہئیے۔

’’کیسے؟

’’ہم دونوں کو عقد کر لینا چاہئیے۔

’’توبہ کیجئیے بیرسٹر صاحب! وہی مثل ہوی بوڑھے منہ مہاسے لوگ دیکھیں تماشے۔اس عمر میں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی آپکو۔

’’بیرسٹر وجاہت حسن نے ہنستے ہوئے سگار جلایا۔

’’اس میں شرم کی کیا بات ہے۔کل آپ کی چوپنویں سالگرہ ہوی تھی۔ابھی آپکے پنشن کے لئے وقت باقی ہے پنشن لے لیجئیے گا اس کے ساتھ ہی عقد ہو جائے گا۔اس عمر میں آپ کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔ ’’ہٹئیے بھی ! ایسی بے ہودہ باتیں مت کیجئیے! رضیہ بانو چیڑ گئیں۔

’’دیکھئیے بیگم صاحبہ چڑنے کی کوئی بات نہیں ہے ہم دونوں بھی تنہا ہیں ہماری تنہائی دور ہو جائیگی آخری عمر میں ایک دوسرے کا سہارا بن جائیں گے۔کہئیے کیا ارادہ ہے۔

’’ نہیں نہیں ایسا تو نہیں ہو سکتا رضیہ بانو اور بھی چڑ گئیں

’’آپکی اتنی ساری جائداد کا کیا ہو گا۔

’’اب سمجھ میں آئی میرے آپکی بات 'یوں کہئیے کہ آپ میری دولت اور جائیداد پر قبضہ جمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔رضیہ بانو نے انتہائی غصے کے ساتھ کہا۔

’’ واللہ بیگم صاحبہ !میرا یہ خیال ہرگز ہرگز نہیں ہے وہ تو میں تنہائیوں کو دور کرنے کی خاطر کہہ رہا تھا سوچ لیجئے گا۔

"چلے جائیے آپ ابھی اسی وقت یہاں سے۔رضیہ بانو چلائیں۔

"کیوں چلارہی ہیں آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے!

"بہت غور فرماچکی۔اب تشریف لے جائیں آپ!رضیہ بانو نہایت غصے کے عالم میں بیرسٹر وجاہت حسن کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئیں۔وہ ہنستے ہوئے چلے گئے۔

اسکے ایک ہفتے بعد رضیہ بانو کی نوٹس کی وجہہ بیرسٹر وجاہت حسن کو مکان خالی کرناپڑااوراسکے دوسرے دن مکان پر تختی نظر آرہی تھی

کرایہ دار کی ضرورت ہے۔

ختم شد



(افسانہ)

بے گناہ

لے بوڑھے! اس سے اپنے خاندان کی کہانیاں اور ڈکشنری کی داستان بیان کر!
پولیس مین نے ایک نوجوان کو جیل کے ایک کمرے کے اندر داخل کرنے کے بعد کمرے میں موجود دوسرے قیدی سے مخاطب ہو کر کہا۔ اور ایک زوردار قہقہہ لگایا نوجوان قاتل تھا اس نے خون کیا تھا اسلئے اسکو جیل کی مضبوط دیواروں میں بند کر دیا گیا۔
پولیس مین کو دیکھکر بوڑھے قیدی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اس نے کوئی جواب نہیں دیا
پولیس مین نوجوان قیدی کو کمرے میں بند کر کے چلا گیا بوڑھا نوجوان کے قریب آیا اور دوستانہ لہجے میں مسکراتے ہوئے پوچھا

"کس کا خون کیا ہے تم نے؟

"کسی کا نہیں غم وغصے سے اسکی آواز کانپنے لگی

"بے گناہ ہو؟ بوڑھا ہمہ تن متوجہ ہوا

"بالکل وہ اسی انداز سے بولا اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"تم پر جھوٹا الزام کیوں لگایا گیا؟

"دشمنوں کے حسد نے مجھے برباد کر دیا۔ غم وغصے سے اسکی حالت ابتر ہونے لگی وہ خاموش ہو گیا۔

"کس قسم کی دشمنی تھی آخر؟ بوڑھے نے سوال کیا

"ایک لڑکی کے لئے نوجوان سر جھکالیا۔

"او! کیا بات ہوئی؟ بوڑھا بیٹھ گیا اسنے نوجوان قیدی کو اپنے قریب بیٹھالیا۔

"تمہارا نام؟

"سریش۔ وہ بوڑھے کے قریب بیٹھ گیا۔

"ہاں تو اس لڑکی کا قصہ کیا ہے؟

"لڑکی کا قصہ؟ اسکا نام لتا تھا وہ گاؤں کے زمیندار کی لڑکی تھی بہت ہی خوبصورت ۔ میں تھا تو غریب کسان کا لڑکا لیکن مجھے کھیتی باڑی پسند نہ تھی اسلیئے میں گانا بجانا سیکھنے کیلیئے ایک بڑے شہر میں گیا اور وہاں سے سنگیت کی بہت بڑی ڈگری لیکر گھر آیا اور جب گاؤں والوں کو معلوم ہوا کہ میں بہت بڑا گائیک بنکر آیا ہوں تو سب لوگ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو سنگیت سکھانے کے لئے میرے پاس بھیجنے لگے۔ اور لتا بھی مجھ سے سنگیت سیکھنے لگی۔ وہ ایک لمحہ رکا۔ اور پھر ۔ پھر ہم دونوں میں بہت دوستی ہو گئی یہانتک کہ سکنڈ بھر کی جدائی بھی ایک دوسرے کو گوارا نہ تھی باغ' کھیت' تالاب' پہاڑ' ندی' جنگل غرض کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں ہم دونوں نہ جاتے ہوں۔ گانا بجانا اور ناچ میں اکثر لتا کو انہی مقامات پر سکھایا کرتا تھا۔ لیکن چند آدمی ایسے بھی تھے جو میرے اور لتا کے ملاپ کو حسد کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے گاؤں کا ایک وکیل بھی تھا جسکی نظریں مدت سے لتا پر لگی ہوئی تھیں۔ لتا کا باپ بھی چاہتا تھا کہ اسکی لڑکی لتا کی شادی وکیل سریندر کے ساتھ ہو۔ لیکن لتا کو سریندر بالکل پسند نہ تھا چنانچہ ایکبار اس نے اپنے باپ سے کہہ بھی دیا کہ اسے سریندر بالکل پسند نہیں لیکن باپ کو بیٹی کی رائے سے اتفاق نہ تھا۔ اور وہ اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ اسکی شادی سوائے سریندر کے اور کسی سے نہ ہو گی اور لتا اس بات پر تلی ہوئی تھی کہ وہ ہرگز سریندر سے شادی نہیں کریگی۔ ایک روز جب میں لتا سے رخصت ہو کر گھر پہونچا تو دیکھا کہ میرے نام کا وارنٹ ہے مجھ پر قتل کا الزام لگایا گیا ہے پولیس مجھے تھانے لے گئی۔ وہاں میں نے لاکھ صفائی پیش کی لیکن کچھ نہ ہو سکا۔ میرے کھیتوں میں ایک مقتول کی لاش ملی تھی قریب ہی ایک درانتی تھی جس پر میرا نام لکھا ہوا تھا اور ایک تو ال تھا جس پر میرے کپڑوں کا نشان تھا پولیس نے اسی بنا پر قتل کا الزام لگا کر مجھے گرفتار کر لیا اور مجھے دس سال کی سزا ہو گئی۔ غم وغصے سے اسکی آواز لرزنے لگی دنیا میں میرا کوئی نہیں صرف ایک لتا ہے جو میری ہمدرد ہے لیکن وہ بھی میری مدد نہ کر سکی جب وہ مجھے رخصت کرنے کے لئے جیل آئی تو اسنے مجھے بتایا کہ اس نے اپنے باپ سے دوست احباب سے یہاں تک کہ سریندر سے بھی میرے لئے درخواست کی کہ وہ مجھے بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرے لیکن کسی

نے اسکی فریاد نہین سنی اور میں یہاں دس سال قید بھگتنے کے لئے بھیجدیا گیا۔ بے گناہ۔ بے قصور! غم و غصے سے اسکی آواز گرجنے لگی۔ میرے دشمنوں نے میرے سارے حسرت و ارمان خاک میں ملا کر میرے مقابلے میں جیت حاصل کرلی۔ سریش کے رخساروں پر آنسو برسنے لگے۔

بوڑھے نے اسکے آنسو پونچھکر اسے دلاسہ دیتے ہوے کہا

"نا امید نہ ہو میرے بچے! اس نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا

"اب تم میری بھی داستان سنو! وہ کھو کھیلی ہنسی ہنسا۔ تم عورت کی خاطر جیل میں آئے ہو اور میں دولت کیلئے۔ بوڑھے نے ایک غرور کا قہقہہ لگایا اور سریش کا ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"میرے نوجوان ساتھی! دولت بھی عورت سے کم نہیں۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے تو میں یہی کہونگا کہ "دولت ہی سب کچھ زمانے میں ہے۔ انسان عورت کو بھی دولت سے خرید سکتا ہے۔ دنیا کی ہر ضرورت دولت سے پوری ہوتی ہے۔ بتاؤ کیا میں سچ نہیں بول رہا ہوں؟

بوڑھے نے سریش کے جھکے ہوئے سر کو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "جواب دو میرے بیٹے!

"میں آپکا ہم خیال نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ عورت ہی سب کچھ زمانے میں ہے

"یہ تم نہیں تمہاری جوانی کہہ رہی ہے! بے شک عورت پوجنے کے قابل ہوتی ہے۔ لیکن دولت کے بعد وہ مسکرایا۔

"ہاں تو سنو! وہ سریش کی تھوڑی پکڑ کر کچھ دیر اسکا چہرہ دیکھنے کے بعد بولا۔ پھر ٹہلنے لگا۔

خیر یہ داستان پھر کبھی سناؤں گا۔

پولیس مین کھانا لے آیا۔ بوڑھے نے پیٹ بھر کر اور سریش نے برائے نام کھانا کھایا۔ بوڑھا بولا۔

"میرے بچے! ابھی تو دس سال تم کو اس کال کوٹھری میں رہنا ہے اس طرح سے کھانا کھاؤ گے تو زندہ کیسے رہو گے۔ اگر دشمنوں سے تمکو بدلہ لینا ہے تو پیٹ بھر کر کھاؤ۔ اس طرح سے تو تم کمزور ہو کر بہت جلد بھگوان کو پیارے ہو جاؤ گے۔ مجھے دیکھو! یہاں آکر آٹھ برس بیت گئے مگر بالکل تندرست ہوں اس لئے کہ پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہوں بوڑھے نے قہقہہ لگایا سریش حیرت سے بوڑھے کو دیکھنے لگا۔

ایک ماہ بیتا۔ایک روز بوڑھے نے سریش سے پوچھا"کچھ پڑھنا لکھنا جانتے ہو؟"

"بالکل تھوڑا سا۔وہ بولا۔

"آؤ میں تمھیں پڑھاؤں تاکہ وقت بھی گذر جائے اور تمہارا دل بھی بہلتا رہے

"آپ کہاں تک پڑھے ہیں؟ سریش نے پوچھا

"میں بی اے پاس ہوں

سریش کا منھ حیرت سے کھل گیا۔ آپ بی اے پاس ہیں؟ کس الزام میں آپ کو یہاں آنا پڑا۔؟

"کبھی بیان کرونگا اپنی آپ بیتی پہلے تم کچھ پڑھنا لکھنا سیکھ لو!

اسطرح بوڑھے نے سریش کو زمین پر انگلیوں اور کوئلے سے اور زبانی تعلیم دینی شروع کی۔ سریش کا شوق بھی دن بہ دن بڑھتا گیا اور وہ میٹرک کے امتحان کی تیاری کرنے لگا جس میں جیلر نے بہت مدد کی ایک مرتبہ بوڑھے قیدی سدرشن نے نپولین کی سوانح حیات بیان کی اور اسکا آخری نتیجہ یہ بتایا کہ اسنے اپنی زندگی کے آخری آیام میں جزیرہ سینٹ ہلینا میں گذارے تھے۔اسوقت سریش نے بات کاٹ کر بوڑھے قیدی سے سوال کیا سر۔یہ بتائے کہ آپ کس جرم میں یہاں آئے؟

"میں؟ میں؟ وہ ہکلانے لگا۔ میں؟ ہاں تو سنو! ہاں میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا میرے ماں باپ نے بڑی مصیبت اٹھا کر مجھے بی اے تک تعلیم دلائی۔ میں بی اے پاس ہو گیا۔ میری شادی ہو گئی بچے بھی ہوئے اس کے بعد میرے ماں باپ کا انتقال ہو گیا۔میں اور میری بیوی بچے میری چھوٹی سی تنخواہ میں ہنسی خوشی دن گزار رہے تھے۔ایک دن ایسا ہوا کہ میری بیوی نے پرانی ردی بیچنے کیلئے نکالی اور اس میں سے کام کے کاغذ چھانٹنے لگی۔ تعطیل کا روز تھا میں بھی اسکا ہاتھ بٹانے لگا۔اچانک بوڑھے نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اسی طرح مارتا رہا ان کاغذوں میں مجھے ایک نیلے رنگ کا پرانا کاغذ دکھائی دیا۔کھولکر دیکھا تو وہ ایک نقشہ تھا جو پرانا ہونیکی وجہ سے صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا اس نے ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتایا میں اس کاغذ کو جانچنے لگا۔اس پر کچھ نمبر اور نشانات پڑے ہوئے تھے۔ کبھی میرے باپ نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے بزرگوں نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں اپنی ساری دولت ایک جگہ دفن کر دی تھی جس کا نقشہ تو موجود ہے مگر باوجود کوشش کے وہ خزانے کو نہ پاسکے۔اس نقشے کو

دیکھکر مجھے شبہ ہوا کہ ممکن ہے یہ اسی خزانے کا نقشہ ہو۔ میں نے نقشے کو اور بھی غور سے جانچنا شروع کیا اور پھر باہر نکلا۔ میرے چھوٹے سے گھر کے چاروں طرف بہت بڑا میدان تھا۔ میرے ماں باپ نے مجھے بتایا تھا کہ کبھی اس میدان میں تمہارے بزرگوں کی بہت بڑی کوٹھی تھی اور اس کوٹھی کا حال میرے باپ کو انکے باپ دادا نے بتایا تھا۔ اس بات کا خیال آتے ہی میں اس نقشے کو لیکر میدان کا چکر لگانے لگا اور کئی فرلانگ تک چکر لگاتا رہا میری اس حرکت کو میرا پڑوسی دیکھ رہا تھا جس نے میرے بزرگوں کی زمین خرید کر ایک عالیشان عمارت بنائی تھی میں رات بھر قندیل لئے زمین کھودتا رہا اور میرا پڑوسی اپنے کوٹھے کی کھڑکی میں کھڑا برابر مجھے دیکھتا رہا۔ ایک دن میں نے اپنا خزانہ پالیا۔

"تو کیا کیا آپ نے؟ سریش چلایا

"تم سمجھتے ہونگے کہ میں نے وہ خزانہ لے لیا نہیں۔ جوں ہی لوہے کا صندوق نمودار ہوا میرا پڑوسی آدھمکا۔ اس نے مجھے مجبور کرنا شروع کیا کہ نصف خزانہ اسے دے دیا جائے ورنہ وہ فوراً پولیس کو خبر کر دیگا۔ میں نہ مانا اور اسے بتایا کہ یہ میری خاندانی دولت ہے یہ میری ملکیت ہے حکومت کا اس میں کوئی حق نہیں پولیس اس معاملے میں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اسکے لئے ہم دونوں میں بہت دیر تک بحث ہوئی جب میں نے اسے خزانے کا حصہ دار بنانے سے بالکل انکار کر دیا تو وہ پولیس کو اطلاع دینے کے لئے آگے بڑھا اور میں اپنی کدال اتنی زور سے اسکے سر پر ماری کہ ایک بہت بڑی چیخ کے بعد وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

"پھر سریش نے پوچھا۔

سدرشن جیسے نیند سے بیدار ہوا ہو پھر کیا؟ خزانہ میرے گھر سے کئی فرلانگ دور تھا میں نے فوراً اسکو مٹی میں دبا کر مٹی برابر کر دیا اور گھر آکر اپنی بیوی سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اگر میں پکڑا بھی جاؤں تو وہ خزانے کو کھود کر حاصل کر لے۔ لیکن اتنی ہی دیر میں لوگوں کو چراغ لیکر آتے ہوئے دیکھا اور گھبراہٹ میں فوراً جنگل کی طرف دوڑنے لگا۔ پولیس نے آخر کار مجھے گرفتار کر لیا بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ مقتول کی بیوی نے چیخ کی آواز سنکر اپنے کوٹھے کی کھڑکی میں سے کسی کو بھاگتے ہوئے دیکھکر اپنے پتی کی تلاش کے لئے نوکروں کو بھیجا مالک کو زخمی اور بے جان دیکھکر نوکروں نے میرا پیچھا کیا میں پکڑا گیا کدال اور خون

بھرے کپڑے قتل کے شاہد تھے۔ مگر میں نے خزانے کا نام بھی ان لوگوں کو نہیں بتایا یہی کہا کہ دشمنی بہت دنوں سے چلی آرہی تھی اس لئے میں نے غصے میں اسے مار دیا۔ اقرار جرم کے بعد مجھے بیس سال کی سزا ہوگئی۔ سدرشن نے ایک لمبی ٹھنڈی سانس بھری۔

"آپ نے اپنی بیوی کو خزانے کا پتہ کیوں نہیں بتایا؟

"پولیس جو ہر وقت ساتھ رہتی تھی کہنے کا موقع ہی نہیں ملا وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ سریش بھی بوڑھے قیدی سدرشن کے ساتھ سوچوں کی لہروں میں تیرنے لگا۔



سریش جب جیل میں آیا تو اسکی عمر بائیس سال کی تھی ۔اب اسکو جیل آکر چار سال گذر گئے بوڑھے قیدی سدرشن کی تعلیم اور جیلر کی مدد سے اسنے میٹرک کا امتحان پاس کرلیا پھر آگے بھی تعلیم جاری رکھنے کی تیاری کرنے لگا جیلر اس سے اور بوڑھے قیدی سدرشن سے بہت خوش تھا اور دونوں کے بارے میں سفارش کر کے جلد از جلد جیل سے خلاصی دلوانا چاہتا تھا۔

میٹرک کے بعد سریش آگے تعلیم حاصل کرتا رہا اور جیلر برابر اسکی مدد کرتا رہا اس طرح جیل میں اسکے سات سال بیتے وہ بی اے کی تیاری کرنے لگا جیلر نے دونوں کی سفارش کی سریش کی رہائی کا حکم آگیا اور بوڑھے قیدی سدرشن کا معاملہ زیر غور رکھا گیا۔

جیل سے نکلتے ہی جیلر نے اپنی بھانجی کو گانا سکھانے کے لئے سریش کو اپنے گھر میں جگہ دی اور وہ بی اے کی تیاری بھی کرتا رہا۔ جب سریش نے جیلر کی بھانجی موہنی کو گانا بجانا سیکھانے لگا تو وہ دل ہی دل میں اسکی پوجا کرنے لگی لیکن سریش کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اسکے دل و دماغ پر لتا چھائی ہوئی تھی۔

موہنی اپنی ماں کے ساتھ گاؤں جارہی تھی اسلئے جیلر نے سریش کو بھی انکے ساتھ بھیجدیا ۔ایک تو یہ کہ جیلر کو سریش کے چال چلن پر پورا پورا بھروسہ تھا دوسرے یہ کہ موہنی کی موسیقی کی تعلیم جاری رہے تیسرے یہ کہ سریش کو بھی تنہائی میں بی اے کی تیاری کرنے میں آسانی ہو۔

شام ہو رہی تھی دھند سا چھایا ہوا تھا کوئی چیز صاف دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

سریش کھڑکی کے پاس جاکر کھڑا ہوا دور تک میدان ہی میدان دکھائی دے رہا تھا۔ اور بہت دور کہیں کہیں اکے دکے چھوٹے چھوٹے مکان کے نشان نظر آرہے تھے۔اس نے موہنی کو مخاطب کر کے پوچھا "کیا نام ہے اس گاؤں کا؟"

"چاندی پور۔وہ بھی سریش کے قریب آگئی۔

"چاندی پور؟ سریش نے تعجب سے پوچھا۔یہ چاندی پور ہے؟

"کیوں تعجب کیوں کر رہے ہیں آپ؟ موہنی کو بھی تعجب ہونے لگا

"نہیں کوئی خاص بات نہیں ایسا معلوم پڑتا ہے کہ یہ نام میں نے پہلے بھی سنا ہے۔کچھ دیر بعد وہ بولا

"میں آج یہاں سے چلا جاؤں گا۔

"جب کوئی تکلیف ہی نہیں تو کیوں جانا چاہتے ہیں آپ؟

"میں نے جیلر صاحب کو یہاں سے جانے کے متعلق لکھدیا ہے۔ذرا میں اپنے گاؤں کی خبر بھی لینا چاہتا ہوں۔

"بڑی دلچسپی ہے آپکو گاؤں سے؟ موہنی مسکرای۔

"وطن جو ہے اپنا اور پھر وہاں میری لتا بھی تو رہتی ہے وہ مسکرانے لگا۔

"کون لتا؟

"لتا۔میں اس سے بچپن سے پیار کرتا ہوں۔اسی کو دیکھنے کی خواہش ہے۔وہ مسرت سے جھوم اٹھا۔

موہنی کا چہرہ ایکدم اتر گیا۔اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"کس قدر خوش نصیب لڑکی ہے۔بے تحاشہ اسکے منہ سے نکل گیا دکھ سے آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

سریش کی طرف بڑی ہمدردی کے ساتھ دیکھا وہ محسوس کر رہا تھا کہ موہنی کے دل میں اسکے لئے محبت پیدا ہو چکی ہے۔ لیکن وہ اس سے محبت کرنے سے مجبور تھا وہ جاکر کرسی پر بیٹھ گیا۔

○

سریش نے موہنی اور اسکی ماں سے گھر جانے کی اجازت مانگی دونوں نے اسے اجازت دی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد موہنی نے چشم پرنم کے ساتھ اسے رخصت کیا وہ زینے سے اتر کر میدان میں پہونچا موہنی نے پھر اسے کوٹھی کی کھڑکی میں سے خدا حافظ کہا۔

رات اندھیری تھی۔ وہ ستاروں کی چھاؤں میں راستہ طئے کرنے لگا۔ اور کئی فرلانگ کا راستہ طئے کر کے ایک جھونپڑی کے قریب پہونچکر ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر جھونپڑی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کئی آوازوں کے بعد ایک نوجوان لڑکے نے دروازہ کھولا۔ سریش بولا۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ کیا رات کی رات یہاں جگہ دے سکتے ہو؟

"ماں! لڑکے نے اپنی ماں کو بلایا۔ ایک ادھیر عمر عورت آئی بیٹے نے اسکی درخواست ماں سے بیان کی۔ وہ بولی "کہاں سے آرہے ہو؟

"بہت دور سے ماں جی۔ اتنا تھک گیا ہوں کہ آگے چلا نہیں جارہا ہے۔ راستے میں اس گھر کو دیکھکر رک گیا۔

کچھ دیر سوچکر عورت نے اسکو ایک بوریا دیا جس پر سریش بے خبر سو گیا۔ صبح کو جب ماں بچے کام پر چلے گئے تو اس نے اپنے بوڑھے استاد سدرشن کے دیئے ہوئے نقشے کو نکالا اور بہت دیر تک ہندسوں اور نشانوں کا حساب کرتا رہا۔ لیکن دن کے وقت میدان میں جاکر کسی چیز کو تلاش کرنے کی اس میں ہمت نہ ہوئی۔ دوسری رات کو خوب چاندنی پھیلی ہوئی تھی وہ باہر نکلا اور آہستہ آہستہ راستہ طئے کرنے لگا کئی فرلانگ راستہ طئے کرنے کے بعد اسے ایک بہت ہی شاندار بنگلہ نظر آیا۔ وہ صبح صادق تک خزانے کا مقام ڈھونڈتا رہا مگر کہیں اسکا پتہ نہیں لگا واپس جاکر وہ بستر پر لیٹ گیا۔ دوسرے دن پھر اس نے نقشہ کھولکر خزانے کا راستہ تلاش کرنا شروع کیا اور جب اسے اسکا نشان مل گیا تو میدان میں نکل کر اس جگہ کو ڈھونڈنے لگا۔ اور حساب کر کے ایک جگہ پر نشان لگا دیا اور ارادہ کر لیا کہ رات ہوتے ہی وہ خزانے کو یہاں سے نکال کر لے جائیگا۔ اسنے سر اٹھا کر دیکھا۔ بہت دور پر داہنے اور بائیں جانب دو بنگلے نظر آرہے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ ان دو بنگلوں میں سے کونسا بنگلہ اسکے استاد سدرشن کے دشمن کا ہو سکتا ہے۔ یہی سوچتے سوچتے وہ جھونپڑی میں پہونچا۔ مالکہ مکان شیلا

بائی کھانے کے لئے اسکا انتظار کر رہی تھی اسے دیکھتے ہی کھانا سامنے لا کر رکھا۔ سریش نے پوچھا ''ماں آپ کے کتنے بچے ہیں؟''

''بس یہی دو لڑکے جنھیں تم دیکھ رہے ہو

''ان بچوں کے باپ کیا کام کرتے ہیں؟

'' باپ کے نام پر شیلا بای کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے وہ تو جیل بھگت رہے ہیں۔

''کیوں جیل کیوں؟

''انھوں نے خون کیا تھا۔ اسنے آنسو پونچھکر کہا

''کس کا؟ وہ کھانا چھوڑ کر شیلا بائی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''اس بنگلے کے مالک کا۔ اس نے شمال کے بنگلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟

'' یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ وہ آئیں تو معلوم ہو۔ اسنے پھر اپنے آنسو پونچھے انکو جیل جاکر پندرہ سال ہو گئے اور پانچ سال کاٹنے ہیں وہ رو پڑی

''کیا نام تھا انکا

''سدرشن۔ شیلا بائی بولی

''سدرشن؟ سریش نے انتہائی حیرت سے سوال کیا

'' آپکے بچوں کے نام؟

''رام اور لکشمن

''آپکی زندگی کیسے گزر رہی ہے؟

'' بچے کھیتوں میں مزدوری پر کام کرتے ہیں اور میں بھی کھیتوں میں کام کرنے کے لئے جاتی ہوں۔ اناج اور کچھ پیسے مل جاتے ہیں۔ اسی میں گزارہ ہو رہا ہے۔ ہماری زمین تو بہت بڑی ہے لیکن کھیتی کے قابل نہیں پتھروں سے بھری پڑی ہے سریش شیلا بائی کی باتوں کو بڑی توجہہ سے سنتا رہا پھر اس نے کھانا ختم کیا۔ شیلا بائی نے جھونپڑی کے دروازے میں تالا ڈالا درانتی اور تھیلا لیکر کھیتوں کی طرف چلدی اور سریش ڈرتے ڈرتے رات کے لگائے ہوئے نشان کی طرف بڑھا بہت دیر تک وہاں جانچ پڑتال کرتا رہا پھر آکر بوریا بچھا کر سو گیا

۔ صبح کو اسنے اس نشان کے پاس جانا مناسب نہیں سمجھا۔اس لئے کہ کھیتوں میں کام کرنے والے مرد عورت برابر ادھر سے گزر رہے تھے۔ وہ واپس آگیا شام کو ماں اور دونوں لڑکے آگئے ماں کھانا پکانے لگی۔ سریش رام لکشمن سے باتیں کرنے لگا۔جب رات کا کھانا سب کھا چکے تو اس نے تینوں سے کہا۔

"میں آپ لوگوں سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں جو بالکل راز میں رکھی جائیں۔

"کہیئے! دونوں لڑکے بولے۔ماں ہمہ تن متوجہ ہو گئی۔ سریش کہنے لگا

"اتفاقیہ طور پر میری سدرشن بابو سے ملاقات ہوئی

"کب شیلا بائی نے بات کاٹی۔ وہ انتہائی شوق سے سننے لگی سریش کہنے لگا۔لڑکے بھی بڑی توجہہ سے سننے لگے۔

"میں پولیس آفیسر تھا۔اسکی باتیں مجھے بہت اچھی لگتی تھیں انھوں نے مجھے بتایا کہ ایک ڈکشنری لکھی ہے جیسے شائع کرانے کی ضرورت ہے اور دوسری بات یہ کہ انھوں نے ایک چیز کا پتہ بتایا ہے جسکی خاطر ان کو قید ہوئی۔پھر سریش نے خزانے اور پڑوسی کے قتل کا واقعہ بیان کیا دونوں باتیں سچی تھیں۔ماں بیٹے خزانے نکالنے کی خاطر اسکی مدد کرنے کیلیے تیار ہو گئے۔

آدھی رات کو جب سارا گاؤں پڑا سو رہا تھا سریش نے لڑکوں کی مدد سے زمین کھودی صندوق نکالا اور سب ملکر اسے اٹھا کر گھر لے گئے پھر رائے ہوی کہ ان تینوں کو معہ خزانے کے سریش کے ساتھ کسی بڑے شہر میں منتقل ہو جانا چاہئیے ان تینوں نے اسکو منظور کر لیا۔ صبح اٹھکر سریش نے سدرشن کی لکھی ہوئی ڈکشنری دیکھی اور جلد از جلد اسے چھوانے کا ارادہ کر لیا۔



سریش خزانے شیلا بائی اور اسکے دونوں بچوں کو لیکر ایسے مقام پر پہونچا جہاں پر کہ اسکا کوئی جاننے پہچاننے والا نہ تھا۔وہاں پر اسنے شیلا بائی کے نام پر ایک بہت بڑی بلڈنگ خریدی لڑکوں کیلیے نائٹ اسکول میں جانے کا انتظام کر دیا اور ڈکشنری چھپوانے کا کام بھی شروع کر دیا۔

ڈکشنری چھپ گئی۔ ہاتھوں ہاتھ بکنے لگی اسنے معمولی داڑھی پر کالے شیشوں کا چشمہ لگالیا۔ پھر شکاری لباس پہنا اور پھر اوپر سے بہت بڑا کوٹ اوڑھ لیا۔

موسم سرما کا تھا اس لئے اسکو اس لباس میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی وہ شیلا بائی کے پاس گیا۔ وہ اسے بالکل پہچان نہ سکی۔ پھر سریش نے اپنے آپکو اس پر ظاہر کر دیا۔ دونوں ہنسنے لگے۔

"میں سفر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر کچھ روپیوں سے آپ میری مدد کریں تو مہربانی ہو گی۔

"کہا کہتے ہیں آپ بھیا! سارا خزانہ آپ ہی کا تو ہے میرا اس میں کوئی حق نہیں اگر آپ نہ آتے اور ہماری مدد نہ کرتے تو ہمیں یہ خزانہ ملتا کیسے؟ مجھ سے پوچھتے ہیں آپ؟ مجھ سے کچھ نہ پوچھئے۔ جتنا آپ کا جی چاہے لیجایئے۔ شیلا بائی تعجب اور مسرت سے بولی۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے ہاتھ سے مجھے دیں خزانے کی مالک تو آپ ہیں۔ شیلا بائی نے تجوری کے پاس جاکر دونوں ہاتھوں سے سونے کے سکے اور ہیرے جواہرات سریش کے سامنے پیش کئے۔ اس نے وہ سب اپنے اندر کے سوٹ کے چور جیبوں میں بھر لئے شیلا بائی نے دوبارہ پھر دولت پیش کیا جسے لینے سے سریش نے انکار کر دیا۔ اسکے بعد اسی رات کو وہ لتا کی خبر لینے کے لئے اپنے وطن جوت پور روانہ ہوا۔

جب وہ جوت پور پہونچا تو دن کے چار بج چکے تھے وہ اسی طرح کالی عینک اور بڑے کوٹ میں چھپا ہوا گاؤں میں داخل ہوا اور اجنبیوں کی طرح سے لتا کے گھر کے قریب جاکر ہوٹل کا پتہ دریافت کرنے لگا۔ اسوقت وہ ایک قیمتی کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ جو اسنے خریدی تھی۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ لتا کے گھر کے اندر سے برات نکل رہی ہے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ گاؤں کے زمیندار کی لڑکی کی شادی ہوئی ہے اور وہ اپنی سسرال جا رہی ہے۔ سریش غم وغصے کے مارے زہریلے سانپ کی طرح پھنکارنے لگا۔ برات آگے بڑھی آبادی سے نکل کر دوسرے گاؤں کو جانے لگی۔ سریش نے اپنی موٹر روک دی رات کا وقت تھا لوگ بہت تھکے ہوئے تھے وہ ستانے کے لئے ایک جگہ رکے اور سب وہیں زمین پر لیٹ رہے سریش آہستگی کے ساتھ ڈولی کے پاس گیا ڈولی کا پردہ اٹھایا اور لتا کو نیچے کی طرف کھینچا اسے کندھے پر ڈالا اور لمحہ بھر میں لیجا کر موٹر میں پھینک دیا اور موٹر اسٹارٹ کر

دی۔ برات میں شور و غل مچ گیا سب لوگ موٹر کے پیچھے بھاگنے لگے۔ مگر کوئی اسکی گرد کو بھی نہ پا سکے۔

دولھا نے جاکر یہ خبر پولیس کو دی۔ لتا کے باپ کو بھی اطلاع دی دونوں گھروں میں رونا پیٹنا شروع ہو گیا۔

O

راستہ میں لتا چیختی چلاتی رہی مگر اس نے کچھ پروانہ کی وہ اسے لیکر سیدھا شیلا بائی کے گھر پہونچا دو دن کے سفر سے دونوں کی حالت بھوک پیاس سے خراب ہو رہی تھی۔ شیلا بائی ایک دلھن کو اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئی دلھن زار زار رو رہی تھی۔

"بھگوان کے لے مجھے واپس بھیجد یجئے! میں آپکے ساتھ نہیں رہ سکتی میں بیاہتا ہوں۔

سریش نے قریب جاکر پوچھا "کیا تم کو مجھ سے محبت نہیں رہی لتا؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں؟ مجھے پہچانو! میری طرف دیکھو لتا! وہ انتہائی عاجزی سے بولا۔ میں سریش ہوں تمہارا سریش!

"آپ جھوٹ کیوں بولتے ہیں

"سریش نے اپنی داڑھی نکال کر پھینکدی۔ چشمہ اتار ڈالا اور اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا" مجھے دیکھو! میری طرف دیکھو لتا! انجان بننے کی کوشش نہ کرو! کیا تم اپنے سنگیت کے ماسٹر کو بھول گئیں۔ لتا نے سریش کی آنکھوں میں دیکھا۔ لمحہ بھر کے لئے اسکی اصلی تصویر آنکھوں میں پھر گئی پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ آپ آگئے وہ چلائی اسنے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونا شروع کیا یہاں تک کہ اسکا رونا ہچکیوں تک پہونچ گیا اس کے دکھ کو دیکھ کر سریش بیحد پریشان اور دکھی ہو رہا تھا۔

"بھگوان کیلئے رو رو کر پریشان نہ ہو اور نہ مجھے پریشان کرو! وہ انتہائی عاجزی سے بولا۔

لتا اپنے گریے کو قابو میں کر کے بولی۔ میری ایک پرارتھنا ہے قبول کرینگے آپ؟

"کہو!

"مجھے میرے پتی کے پاس بھیجوا دیجئے بھگوان کے لئے!

"یہ کبھی نہیں ہوگا۔ غم و غصے کے ساتھ سریش نے کہا یہ جس لڑکی کو میں جان سے بڑھکر

چاہتا ہوں۔ جسکی خاطر جیل بھگتی ہے اسے کسی قیمت پر بھی واپس بھیجنے کے لئے تیار نہیں
"میری تو شادی ہو چکی ہے۔ اب کیا کر سکتے ہیں آپ! وہ ہچکیوں میں بولی۔
"تم کو ساتھ رکھ کر تمہارے پتی کو تڑپانا چاہتا ہوں میں نے سریندر کو دولھا بنا ہوا دیکھا ہے۔
"لیکن میں کب آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ وہ گریئے کو روک کر غصے سے بولی
"کیا اب تم کو مجھ سے محبت نہیں رہی لتا؟ سریش نے اس لہجے سے پوچھا کہ لتا کا دل ہل گیا۔
"پرانی باتیں دھرانے کی کیا ضرورت ہے اب؟ اسکی آواز دکھ سے بھرانے لگی
"باتیں تمہارے لئے پرانی ہو سکتی ہیں میرے لئے نہیں سریش بولا۔
لتا نے اپنے آپکو قابو میں کرتے ہوئے کہا میرے دل میں تو اب اس کے لئے محبت پیدا ہو گئی ہے جس کے ساتھ ہوم کی آگ کے چاروں طرف سات پھیرے ہوئے تھے جس نے اپنے ہاتھ سے میری مانگ میں سہاگ کا سیندور بھرا تھا۔ اب تو وہی میرے لئے سب کچھ ہیں۔
"میں تمہارا کوئی نہیں؟ میری محبت کا اور تمہاری خاطر جو مصیبتیں میں نے اٹھائی ہیں اسکا تم کو کوئی لحاظ نہیں؟
"جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی۔ اب مجھے زیادہ پریشان نہ کیجئے بھگوان کے لئے
"مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی لتا! سریش انتہائی افسوس کے ساتھ بولا غداری، مکاری اور بیوفائی کا نام عورت ہے وہ غصے سے اپنے دانت پیسنے لگا
"جو کچھ بھی ہوا ہے میرے پتا جی کے جبر سے ہوا ہے میں تو اس بیاہ کے لئے تیار نہ تھی۔ وہ رو پڑی اور پھر پتا جی کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ دل کی بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ اس حالت میں انھوں نے میرے پیروں پر سر رکھکر مجھ سے التجا کی کہ میں اس بیاہ کو قبول کر لوں وہ ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔ اور اپنے بوڑھے بیمار پتا کی خاطر میں نے اپنے آپکو قربان کر دیا۔ بولئے اب میں کیا کر سکتی ہوں لیکن میں آپکو زندگی بھر یاد رکھونگی وہ دونوں ہاتھوں میں منھ چھپا کر زار زار رونے لگی پھر اپنے آپکو قابو میں کر کے آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔ آپ ہی بتایئے کہ اب میں کیا کر سکتی ہوں
"بس یہی کہ مجھے رونے کے لئے چھوڑ کر نہ جاؤ! مجھے زندہ درگور نہ کرو لتا۔

لتا آنسو پونچھتی ہوئی بولی ''اس طرح میں دنیا کو کیا منہ دیکھاونگی؟

''دنیا سے تم کو کوئی غرض نہیں۔ دنیا سے تم کو کیا لینا دینا ہے۔ تم کو محبت سے عرض ہے اور ہاں یہ بتاو کیا تم اس بیاہ کے لئے راضی تھیں؟

''کہہ تو دیا کہ پتاجی کے جبر سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔ میں تو آخر وقت تک لگن منڈپ میں بیٹھ کر بھی آپکا انتظار کرتی رہی اسکے آنسور خساروں پر برس پڑے۔

''جب ایسا ہے تو تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ! میں تم کو لیکر دور بہت دور چلا جاونگا لتا۔ اس نے لتا کے دونوں ہاتھ پکڑلیئے۔

اب لتا سے بھی ضبط نہ ہو سکا اس وقت دونوں رو رہے تھے۔ لیکن لتا نے اپنے آپکو سنبھالکر اپنے ہاتھ سریش کے ہاتھوں میں سے آہستہ سے کھینچ لئے

''پلیز مجھے جانے دیجئے !وہ نہایت عاجزی سے بولی۔

''یہ تو مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ شیلا بائی سے سریش نے لتا کا تعارف کرایا۔ اس نے زبردستی کر کے اسے کچھ کھانا کھلایا۔ اسکے بعد اپنے واقعات مختصر طور پر اس سے بیان کئے شیلا بای پہلے ہی اسکے بارے میں سن چکی تھی۔ وہ اسے سونے کے لے اپنے کمرے میں لے گئی اور وہ جب سو گئی تو اسکے پاس بیٹھ کر سوچنے لگی پھر اسے نیند سے بیدار کر کے اپنے بڑے لڑکے کے ہمراہ اسے بھجنوادیا۔

صبح کو جب سریش کو معلوم ہوا کہ لتا فرار ہو گئی تو اسے انتہائی صدمہ ہوا۔ رام کے بارے میں پوچھا تو ماں نے بتایا کہ وہ ماموسے ملنے کے لئے چاندی پور گیا ہے اس لئے سریش کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شیلا بائی کے مشورے سے رام لتا کو اسکے وطن لے گیا ہے۔

سریش کو لتا کی فراری کا انتہائی دکھ تھا اس نے امکان پھر اسکی تلاش کی مگر کہیں اسکا پتہ نہ لگا۔ رام نے واپس آکر ماں کو خبر دی کہ لتا خریت سے پہونچ گئی ۔ سریش نے جب اسکے بارے میں پوچھا تو رام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔

لتا کے فراق میں سریش کئی دن تک بھوکا پیاسا رہا اسکے بعد وہ اپنی سنگیت کو نشر کرنے کے لئے ملکوں کا دورہ کرنے کے لئے باہر نکلا۔

O

ادھر موہنی کو زیادہ اور سریش کو بہت کم ایک دوسرے کی یاد آیا کرتی اس کے لئے شادی کے کئی پیام آئے مگر اسنے شادی منظور نہیں کی۔ وہ ہمیشہ سریش کے سکھائے ہوئے گانے گا گا کر دل بہلایا کرتی۔ مگر اپنی ماں یا ماموکو کسی دن یہ نہیں بتایا کہ اسکا دل سریش کا مثلاشی ہے۔ شادی کے انکار سے اس کی ماں اور ماموکے علاوہ تمام عزیز و قریب نے یہ اندازلگایا کہ اسے شادی سے دلی نفرت ہے۔

ایک دفعہ شہر میں چند موسیقار آئے۔ ان میں سریش بھی تھا بلکہ یہ سریش سنگیت پارٹی ہی تھی۔ اس وقت موہنی نے اپنے استاد سریش کا گانا سنا۔ وہ خوشی سے پھولی نہیں سمائی۔ اس نے اسکے درشن کرنے کا ارادہ کرلیا۔ وہ اس کے راستے میں کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ سریش اسکے ماموں کے ہمراہ اسی طرف آرہا ہے۔ اس نے اپنے استاد کو نمسکار کیا دونوں نے ایک دوسرے کی خریت پوچھی۔

موہنی کی ممانی کی خواہش پر ایک مرتبہ پھر اسکے گھر میں گانا پارٹی ترتیب دی گئی موہنی انتہائی مدہوشی کے ساتھ اپنے استاد کے گانے سنتی رہی۔ صبح کو گانا ختم کر کے جب وہ جانے لگا تو چھپ کر وہ اس کی راہ میں کھڑی ہو گئی۔ اسکے گزر جانے کے بعد اس نے اسکی روندی ہوئی مٹی اپنی مانگ میں لگائی پھر اسکے دو آنسو رخساروں پر گر پڑے۔

ناشتے کے بعد جیلر نے اپنی بھانجی موہنی کی حرکت بہن سے بیان کی اس وقت ماں نے موہنی کو سمجھایا کہ سریش اگرچہ نیک چلن اور شریف لڑکا ہے لیکن پھر بھی وہ برسوں جیل بھگت چکا ہے اسلئے وہ ہمارے خاندان کا داماد بننے کے قابل نہیں۔ چنانچہ اسے اپنے لئے کسی اور کا انتخاب کرنا پڑے گا۔

اس نے ماں کو بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ بہنے والے آنسوؤں کو آنچل میں جذب کرنے لگی۔ ماں اسے سینے سے لگا کر خود بھی آنسو بہانے لگی۔ اسی دن شام کو موہنی اپنے استاد سے ملنے گئی۔ وہ اس سے انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ ملا۔ اپنے گزرے ہوئے واقعات خزانے کی دستیابی۔ بی اے کی کامیابی اور لتا کی شادی کے واقعات اس سے بیان کیئے۔ موہنی خاموشی کے ساتھ اپنے استاد کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی اسکی داستان سنتی رہی۔ سریش نے موہنی کی نگاہوں۔ بھیگی ہوئی آنکھوں اور خاموش آہوں سے پتہ لگالیا کہ اسے ابتک

اس سے محبت ہے۔ اچانک لتا اسکے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ غدار اور بے وفا لتا۔ جو اسے روتا ہوا چھوڑ کر فرار ہوگئی۔ پھر وہ موہنی کے بارے میں سوچنے لگا پھر وہ اسکے ساکن آنسوؤں کی لہروں پر تیرتا ہوا جس پر تیرنا کسی انسان کے لئے ناممکن ہے اور اسکے ماموں کے گھر گیا۔ اسنے اسکے ماموں کو شادی کا پیام دیا جو انتہائی نرمی کے ساتھ نامنظور کیا گیا اس وقت موہنی کی خاموشی زبان بن گئی۔ اس کی خاموشی کا قفل ٹوٹ گیا اسنے سریش کے بارے میں اپنی ماں سے اچھی طرح سے گفتگو کی اور صاف صاف کہدیا کہ وہ سریش کے سوا زندگی بھر کسی اور سے شادی نہیں کرے گی۔ اسکے لئے اسے ماموں کی خفگیاں سننی پڑیں سریش ناامید ہوکر جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ موہنی اس سے ملنے گئی وہ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ موہنی اسکے پاس جاکر اس سے پوچھا

"جارہے ہیں آپ؟

"ہاں

"کیوں؟

"کیا کروں یہاں رہ کر؟ دوسرے ملکوں کے لئے پروگرام بنالیا ہے۔

"میں نے ایک ترکیب سوچی ہے

سریش نے استفہامیہ انداز سے موہنی کو دیکھا

"میں اس قتل کے کیس کے معاملے سے متعلق ایک سراغرساں سے ملنا چاہتی ہوں تاکہ وہ اس قتل کے واقعات کا کھوج نکالے جسکے لئے آپکو جیل جانا پڑا۔

"اسکے بعد؟

"اسکے بعد شاید ہم کو کامیابی مل جائے گی۔

"لیکن اب مجھے دنیا کی کیسی چیز سے دلچسپی نہیں موہنی۔ میری زندگی کی خوشیاں تو لتا کی شادی کے ساتھ ختم ہوگئیں سریش کی آواز بھرانے لگی۔ موہنی لاجواب ہوکر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی بھیگی ہوئی آنکھوں کو دیکھکر وہ بولا

"جب میری قسمت میں سکھ ہی نہیں ہے تو تم اسے حاصل کرنے کی کوشش کیوں کر رہی ہو؟

"ناامید کیوں ہوتے ہیں آپ ؟ اسکے آنسو رخساروں پر ڈھلکے
"اگر تم یہی چاہتی ہو تو کوشش کرو۔

"آپکا پتہ
سریش نے موہنی کو اپنا پتہ لکھ کر دیا
"میں نے ماں سے وعدہ لیا ہے کہ اگر آپ بے قصور ثابت ہوں تو۔۔۔اس نے سر جھکا لیا
"موہنی میں ہوں تو بے قصور ہی۔ لیکن اسکا ثابت کرنا مشکل ہے"
"بھگوان ناانصافی نہیں کرے گا۔ وہ نردوش کو نردوش ہی ثابت کر کے رہے گا۔ سریش مسکرایا۔ موہنی نے بھی اسکا ساتھ دیا۔



جاوید ایک مشہور جاسوس تھا۔ موہنی نے راکھی پونم کے روز اسکی دعوت کر کے اس کے ہاتھ پر راکھی باندھی سریش کے بارے میں سارے واقعات بیان کر کے اس سے درخواست کی کہ وہ اسے نردوش ثابت کرنیکی کوشش کرے۔
جاوید نے تحقیقات شروع کر دی۔ تمام پرانی فائلوں کی کھوج کی اس زمانے کے لتا اور اسکے شوہر سریندر کے گھر کے نوکروں سے بھیس بدل کر ملا۔ ان سے خوب دوستی کی۔ سگار' چائے اور سندھی پلائی۔ اسکے بعد ان لوگوں نے اس الزام کے سارے واقعات جاوید سے بیان کئے جو نردوش سریش پر لگائے گئے تھے تحقیقات سے سریش بے گناہ ثابت ہوا۔ جاوید سریندر کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ گواہ پیش کئے۔ جب لتا کو معلوم ہوا کہ اسکے شوہر پر قتل کا الزام لگایا گیا ہے تو وہ اپنے چھوٹے سے بچے کو لیکر شوہر کی سفارش کرنیکے لئے سریش کے پاس گئی۔ جب سریش نے لتا کی گود میں معصوم بچے کو دیکھا تو اسکے آنسو نکل پڑے۔ وہ اسے لیکر موہنی کے پاس گیا اسنے جاوید کا خط بتایا جس میں لکھا تھا کہ معاملہ عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے۔
لتا روتی ہوئی گھر واپس گئی

سریش بے گناہ ثابت ہو چکا تھا۔ سریندر ملزم ثابت ہوا لیکن اس نے بھی کسی کا قتل نہیں کیا تھا۔ اس زمانے میں شہر کے حالات خراب تھے غنڈہ گردی عروج پر تھی ہر طرف پوشیدہ

قتل و خون ہو رہے تھے۔ اُنہی لاشوں میں سے ایک لاش اپنے نوکروں کے ذریعہ منگوا کر سریندر نے سریش کے کھیتوں میں ڈالوا دی اسکے گھر سے درانتی اور توال چرا کر منگوایا اور اسے ملزم ثابت کرنے کے لئے گمنام طور پر پولس کو اطلاع دی۔ یہ سب کچھ صرف اور صرف لتا کو حاصل کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔

ایک بے گناہ پر قتل کا الزام لگانے کے سلسلے میں سریندر اور اس کے ساتھیوں کو سزائیں ہو گئیں۔ سریندر کے سزا پانے سے سریش کو بہت رنج ہوا۔

اپنے وعدے کے مطابق جیلر نے موہنی کا بیاہ سریش کے ساتھ کر دیا کیونکہ موہنی نے ماں کے ذریعہ ماموں سے وعدہ لیا تھا کہ اگر وہ سریش کو بے گناہ ثابت کر دیگی تو اسکا بیاہ سریش کے ساتھ کر دیا جائے گا۔

آخر سریش نردوش ثابت ہوا۔ وہ اور موہنی بیاہ کے بندھن میں بندھ گئے۔



(ناولٹ)

شادی کے بعد

ان بد نصیب نوجوانوں کے نام جنکی زندگیاں ناکامیابیوں کا شکار ہیں

آفاق اپنے والدین کا اکلوتا لڑکا۔ جب یورپ سے بیرسٹری کی سند لیکر آیا تو والدین نے اسے شادی کے لئے مجبور کرنا شروع کیا۔ مگر وہ شادی کے بالکل خلاف تھا اور والدین کی انتہائی کوششوں کے باوجود شادی کے لئے تیار نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے والدین نے اپنے خاندان والوں کے علاوہ اس کے پورے دوست احباب' یہاں تک کہ وطن والوں کو بھی بیٹے کے سمجھانے کے لئے درخواست کی۔ وہ لوگ بھی ہر طرح سمجھا کر تھک گئے مگر ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ اور اس کے اس انکار سے والدین کو بہت دکھ اور بہت تعجب تھا۔ لیکن اس کے والدین نے اس کے پیروں پر سر رکھ کر انھیں اپنے آنسوؤں سے تر کر دیا۔ اس وقت مجبوراً آفاق نے شادی کو منظور کیا۔ اب کیا تھا والدین کے علاوہ سارے وطن والے خوشی کے مارے آپے سے باہر ہوگئے اور آفاق کے بنگلے پر خوشی کے نقارے بجنے لگے۔

شادی کو تو آفاق نے منظور کر لیا مگر ایک شرط یہ لگائی کہ نکاح اس کے قومی بزرگ پڑھائینگے جو یہاں سے میلوں دور رہتے ہیں۔ اور نکاح کے لئے وہ دلھن اور اپنے عزیز ترین دوست منظور کو جو یورپ جاتے وقت اسکا ہم سفر تھا اور ہم جماعت بھی' لیجائیگا۔ اور دلھن کی طرف سے صرف ایک عورت جائیگی۔ ان چاروں کے سوا پانچواں آدمی انکے ساتھ نہیں جائیگا۔ کیونکہ قومی بزرگ بہت ضعیف ہیں یہاں تک آنے کے قابل نہیں اور زیادہ آدمی اس لئے نہیں جاسکتے کہ انھیں زیادہ ہجوم پسند نہیں۔ وہ تنہائی پسند بزرگ ہیں اور وداعی رسمیں وطن میں پہونچکر پوری کیجائینگی۔

آفاق کے خسر ایک گاؤں کے زمیندار تھے اور اس کے عہدے کو پسند کرتے

ہوئے اپنی لڑکی دینے کے لئے بالکل تیار تھے۔ اس لئے انھوں نے آفاق کی درخواست کو قبول کرلیااوراس کے حسب مرضی چاروں افراد قومی بزرگ کے شہر پہونچے نکاح ہوااور فوراًہی واپسی ہوگئی۔ لڑکی کے ساتھ اس کی ماں کی بوڑھی کھلائی گئی تھی ۔

واپسی کے دوسرے ہی دن دولھادلھن کومانجھا بٹھایا گیا۔ شادی کی رسمیں ہوئیں اور دلھن وداع ہوکر گھرپہونچی اور اس کے دوسرے ہی دن آفاق دلھن اپنے دوست منظوراور دلھن کی بوڑھی کھلائی کے ساتھ ایک دوردراز مقام پر روانہ ہوا۔

پہاڑیوں اور سبزہ زاروں کے بیچ میں ایک چھوٹے سے خوبصورت اور آراستہ بنگلے میں آفاق اپنے خاندان کے ساتھ قیام پذیر ہوا۔ یہ ایک گاؤں تھااور وہاں کے دو آدمی ایک مرداورایک عورت کواس نے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔

دو دن گھر کے انتظام میں گزرگئے۔ اس درمیان میں ایک مرتبہ بھی آفاق کو دلھن سے بات کرنیکا موقعہ نہیں ملا۔ تیسرے دن میز پر ناشتے کے وقت اسے دلھن کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ میز پر اسکادوست منظور بھی تھا۔ اور دلھن منظور کی وجہ سے بہت شرما رہی تھی اوراپنے چہرے کونیم گھونگھٹ میں چھپارہی تھی منظور نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھ سے تکلف مت کیجئے! میں۔ میں۔ آفاق کا بہت ہی قریبی دوست ہوں ہم دونوں کے بارے میں تویوں کہنا چاہیئے کہ قالب دو میں مگرروح ایک ہے ہم دونوں ایک دوسرے سے جتنی بھی محبت کرتے ہیں۔ اسے ہم دونوں کے دل بہتر جانتے ہیں۔

"آفاق ترچھی نظر سے منظور کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اور پراٹھے کاکباب دار لقمہ چبانے لگا۔

"آپ اگراسی طرح شرماتی رہینگی تو بھوکی رہ جاینگی منظور بولا۔

"دلھن نے اپناچہرہ پورے گھونگھٹ میں چھپالیا۔ اوراپنی گردن اور بھی جھکالی

"آفاق نے اشارہ کیاکہ روٹی کباب وغیرہ دلھن کی پلیٹ میں ڈالی جائے

"منظور نے دلھن ساحرہ کی پلیٹ ناشتے کی چیزوں سے بھردی اوراسکاہاتھ پلیٹ پر رکھدیا۔ اور ہنسنے لگا۔ آفاق بھی ہنس دیا۔ وہ بولا۔

"میری طرف سے اجازت ہے تم ساحرہ کو اپنے ہاتھ سے ناشتہ کھلاؤاور فوراً منظور نے

ساحرہ کے قریب پہونچکر زبردستی کر کے ناشتے کی پلیٹ خالی کر دی۔ پھر دونوں دوستوں نے ایک زوردار قہقہ لگایا ۔ناشتے کے بعد چائے بھی منظور نے پلائی۔

ناشتہ ختم ہوا۔ آفاق کسی ضروری کام سے باہر چلا گیا اور منظور ساحرہ کے ساتھ باتیں کرنے بیٹھا۔اس نے سگریٹ جلایا۔

"معاف کیجئے! میں سگریٹ پی رہا ہوں

"ساحرہ لمبے سے گھونگھٹ میں کسمسائی۔ منظور نے ہنستے ہوئے کہا۔"مجھ سے مت شرمائیے۔ میں تو سدا آپ کے ساتھ رہنے والا ہوں کیونکہ اس گھر کے سوا دنیا میں میرا کہیں بھی ٹھکانا نہیں ہے۔اٹھائیے گھونگھٹ! ایسی بھی کیا شرم ہے۔

ساحرہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی۔ منظور نے اٹھکر ریڈیو کھول دیا اور آرام کرسی میں لیٹ کر سگریٹ کے کش لینے لگا۔اس نے ریڈیو کی راگوں میں ساحرہ کو مخاطب کیا۔"آپ کی یہ خاموشی اور یہ تکلف میرے رنگین لمحات کو بے کیف بنا رہا ہے۔ منظور نے ایک آہ سرد بھری۔

اس جملے پر ساحرہ تیزی سے کرسی سے اٹھی۔اپنے کمرے میں پہونچی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

دوپہر کے کھانے پر اس نے منظور کے ہمراہ کھانے سے انکار کر دیا کیونکہ اس وقت آفاق گھر پر موجود نہ تھا۔دوپہر کا کھانا اس نے اپنے کمرے میں کھایا۔

چار بجے چائے پر تینوں میز پر تھے۔ منظور اس وقت بالکل خاموش تھا اور آفاق بھی خاموش تھا۔ ساحرہ اسی طرح گھونگھٹ میں چھپی بیٹھی تھی اس وقت رات کے کھانے کے بعد ساحرہ کی کھلائی رحمت بی نے اسے سولہ سنگھاروں سے آراستہ کر کے خوابگاہ میں پہونچایا۔وہ ایک گدے دار کرسی میں بیٹھی ہوئی تھی کہ آفاق داخل ہوا۔وہ ایک دوسری کرسی پر بیٹھا۔کچھ دیر بعد اس نے ساحرہ کو مخاطب کیا۔

"یہاں آنے کے بعد میں ایسا مصروف اور تھکا ہوا رہا کہ آپ کو مخاطب کرنیکی فرصت ہی نہ ملی۔اس کے لیئے معافی کا خواستگار ہوں۔ کچھ توقف کے بعد وہ پھر کہنے لگا۔ غالباً آپکو یہ بات سنکر بہت تعجب ہوگا کہ میں اس شادی کے لئے قطعی تیار نہ تھا دلھن کے

گھونگھٹ میں جنبش ہوئی۔ مگر والدین کے مجبور کرنے سے اور ان کی خوشی کیلئے دولھا بن گیا۔ اس لئے کہ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہونیکی وجہ سے ان کو میرے سر پر سہرا دیکھنے کی بڑی آرزو تھی۔ اور میں نے اپنے سر پر سہرا باندھ کر ان کی دیرینہ آرزو پوری کر دی۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو میرے والدین کو انتہائی دکھ ہوتا۔ وہ تھوڑی دیر رکا۔ اور اس شادی کے معاملے میں میرے عزیز ترین دوست منظور نے جو میرا ساتھ دیا ہے میں اسے زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ اس کے بعد بہت دیر تک خاموشی رہی۔ آفاق کی آواز نے اس سکوت کو توڑا۔

"اپنی خوابگاہ میں چلیئے! ڈاکٹر نے مجھے زیادہ تر تنہا رہنے کی سختی سے تاکید کی ہے اس لئے ہم دونوں کی خوابگاہیں الگ رہینگی اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے رات کی روشنیاں بالکل پسند نہیں مجھے تاریکی میں سونے کی عادت ہے۔ وہ کچھ دیر چپ رہا۔ پھر کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ آیئے! میرے ساتھ چلیئے!

ساحرہ گھونگھٹ میں چھپی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آفاق کے ساتھ ہوی دونوں پہلو کے کمرے میں پہونچے۔ دلھن نے اپنے گھونگھٹ میں سے خوابگاہ کی آرائش وزیبائش دیکھی۔ دیواروں پر جابجا خوشبودار پھولوں کے ہار جھالر کی طرح باندھے گئے تھے۔ مسہری پھولوں کے پردوں یں لپٹی ہوئی اپنی خوشبوؤں سے اس کے دماغ کو معطر کر رہی تھی۔ میز پر پھولوں کا میز پوش پڑا ہوا تھا۔ دلھن ایک کیف وسرور محسوس کر رہی تھی اور اپنے آپکو بھول رہی تھی۔ وہ بغیر کہے پھولوں سے لدی ہوئی ایک گدے دار کرسی پر بیٹھ گئی۔ آفاق نے شب خوابی کا لیمپ گل کر دیا کمرے میں تاریکی چھا گئی۔

" ابھی دو منٹ! باہر جانیکی اجازت دیجئے! آفاق نے دلھن سے اجازت لی اس کے دو ہی منٹ بعد وہ واپس آگیا۔ اور اس کے باہیں دلھن کی گردن میں حمائل ہو گئیں۔

رات کے دو بجے جب ساحرہ بیدار ہوئی تو وہ اپنے بستر پر تنہا تھی اور اس کے چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اٹھ کر شب خوابی کا لیمپ جلالیا پھر اسے صبح صادق تک نیند نہ آئی وہ آفاق اور اس تاریک کمرے کے متعلق سوچنے لگی۔

دوسری رات، تیسری رات، چوتھی رات، اس کے بعد کئی راتیں آئیں اور

ساحرہ اور آفاق کو ہر مرتبہ تاریک کمرے میں اپنی رات بالکل سکوت کے ساتھ بسر کرنی پڑی۔

O

آفاق نے والدین کو لکھا کہ وکالت کے لئے یہ مقام بہت اچھا ہے اس لئے وہ اور اسکا دوست منظور مستقل طور پر یہیں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے جواب میں اس کے والدین نے بہو کو بھیجنے کے لئے لکھا اور والدین کے حسب مرضی اس نے منظور کے ہمراہ ساحرہ کو اپنے والدین کے پاس بھیجا۔ پھر منظور ہی ساحرہ کو لیکر اس کے میکے گیا۔ اور مختصر سے قیام کے بعد منظور ساحرہ اور آفاق کے والدین کو لیکر جائے قیام پر آگیا اور منظور کے کاروبار کی وجہہ سے اس کے والدین بھی اس کے پاس آگئے تھے۔ اس طرح دن گزرتے جا رہے تھے۔

کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد آفاق اور منظور کے والدین اپنے وطن کو واپس چلے گئے اور گھر میں آفاق منظور اور ساحرہ معہ نوکروں کے باقی رہ گئے۔

ساحرہ جب بالکل تنہا رہ گئی تو اس نے محسوس کیا کہ آفاق کو اسکی ذات سے جیسی کہ دلچسپی ہونی چاہئیے نہیں ہے۔ راتیں تو تاریکیوں میں خاموشیوں میں گزرتی رہتی ہیں اور دن میں بھی وہ کبھی دلچسپی سے اس کے ساتھ بات چیت نہیں کرتا اور اکثر اسے اپنے دوست کے بھروسے پر چھوڑ کر غائب رہتا ہے۔

ایک دفعہ سردی زوروں پر تھی اور مطلع بھی کہر سے آلود تھا۔ ساحرہ مخملی اور کوٹ پہنے ہوئے تھی اور کوٹ میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ منظور نے اس سے کہا۔

”اگر اس وقت گرم چائے کی پیالی پر پیالی چڑھائی جائے تو مزہ آجائے گا۔ آپکا کیا خیال ہے۔؟

ساحرہ بھی اس سے کافی بے تکلف ہو چکی تھی۔ بولی ”اگر آپ چائے تیار کریں تو مجھے پینے میں کوئی تکلف نہیں۔ وہ مسکرائی۔

”او ہو! یہ بات ہے۔ اچھی بات ہے ابھی لو! منظور نے اٹھ کر اسٹو جلایا اور اس پر چائے کے لئے پانی دکھدیا۔ اسنے سیٹیوں میں گانا شروع کیا۔ ساحرہ اسی طرح کرسی پر بیٹھی

دیکھتی رہی منظور کی نظر اٹھی۔ اس کی نظر ساحرہ کی نظر سے ملی وہ مسکرا دیا۔ ساحرہ کے پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اسنے گانا شروع کیا

ایک نگاہ ناز اس کی دل کو کیا برما گئی
زندگی بن کر سمای روح بن کر چھا گئی

اور ساحرہ انتہائی غصہ کے ساتھ وہاں سے اٹھ گئی مگر منظور اسی طرح گاتا رہا۔

پھر وہ چاء لیکر ساحرہ کے کمرے میں گیا" چائے لو!

"مجھے تم جیسے بد تمیز کی چائے نہیں چاہئے اور نہ تمکو یہاں آنیکی ضرورت ہے تم ہر وقت مجھ سے دل لگی مذاق کی کوشش کرتے ہو اور بعض اوقات تو تمہاری باتیں نا قابل برداشت ہو جاتی ہیں۔ تم کو سوچنا چاہیئے کہ میں تمہارے دوست کی عزت ہوں جسکو تم پر پورا پورا بھروسہ ہے۔ وہ غصے سے کانپنے لگی"۔

"میرے لئے تم جو کچھ بھی ہو۔ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں گرم ہونیکی ضرورت نہیں مذاق دل لگی کرنا یا گانا بجانا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر تو میں نے تم سے کچھ بھی نہیں کہا۔

"آئیندہ سے تم مجھ سے بات مت کیا کرو اور نہ میرے قریب آؤ ! سمجھے! وہ اسی انداز عتاب سے بولی۔

"اچھی بات ہے منظور پیالی میز پر رکھکر جانے لگا۔

"اور ہاں جہاں تک ہو سکے جلد از جلد دوسرا مکان کرائے پر لے لو!

"بہتر۔ جو حضور کی مرضی! اور وہ جاتے ہوئے گانے لگا۔

اک نگاہ ناز اس کی دل کو کیا برما گئی
زندگی بن کر سمائی روح بن کر چھا گئی۔

اور ساحرہ مارے غصے کے پیچ و تاب کھانے لگی۔

شام کو جب آفاق گھر واپس ہوا تو وہ بولی۔

"کیا منظور صاحب کے لئے کوئی کام نہیں ہے جو وہ چوبیس گھنٹے عورتوں کی طرح گھر میں گھسے رہتے ہیں۔ اس کے لہجے میں غصہ تھا۔

"کیوں۔ کیوں۔ کیا ہوا۔ آفاق مسکرا دیا۔

"آپ ہی کو وہ اچھے لگتے ہیں۔ مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ اور مجھے ان کی باتوں اور ان کی حرکتوں سے نفرت ہو رہی ہے۔ ان سے کہئیے کہ دوسرا گھر کرایہ پر لے لیں!

"انکا ہر وقت مذاق اور گانا بجانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

" ارے وہ تو میری وجہ سے تم سے مذاق کرتا ہے۔ اس کی باتوں کا برا مت مانو! اس کی صرف باتیں ہی باتیں ہیں۔ لیکن ہے بہت ہی نیک اور شریف آدمی اس کی طرف سے تم بالکل بے فکر رہو۔ میں سچ کہتا ہوں۔ ایسا انسان آجتک میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔ وہ انسان کے روپ میں فرشتہ ہے۔ یہ ایسا انسان ہے کہ جس کی دوستی پر میں فخر کرتا ہوں۔

منظور کے بارے میں آفاق کی رائے سنکر ساحرہ ستون کی طرح خاموش کھڑی رہی کچھ دیر بعد بولی۔

"جو کچھ بھی ہو۔ لیکن ان سے کہئے کہ مجھ سے بے جا مذاق اور تنہائی میں گانا بجانا نہ کیا کریں

منظور سامنے سے نمودار ہوا۔ اس نے کہا۔

"تو یہ کہئے کے آفاق سے میری شکایتیں ہو رہی ہیں لیکن تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ مجھکو تم سے بہتر جانتا ہے ہم دونوں جو کچھ بھی ہیں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

"مجھے میرے میکے بھجوا دیجئے! اب میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ ساحرہ کے لہجے سے غم و غصہ جھلک رہا تھا۔

"شوق سے جا سکتی ہو تم۔ منظور نے کہا۔

"میرے معاملات میں دخل دینے کا تم کو کوئی حق نہیں ہے ساحرہ چلا پڑی۔

"خیر منظور! آئیندہ سے تم انکو بیزار نہ کیا کرو۔

"یہ ناممکن ہے۔ دل لگی مذاق کی تو میری عادت ہے اور چڑنے والوں کو تو میں زیادہ چھیڑتا ہوں۔ اس نے جواب دیا۔ آفاق مسکرایا۔ اور منظور میز کو انگلیوں سے بجانے لگا۔

حریم ناز کی چلمن اٹھائی جاتی ہے
نگاہ شوق پہ بجلی گرائی جاتی ہے۔

ساحرہ مارے طیش کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ان دو دوستوں کے سلوک پر اسے بہت غصہ آرہا تھا اور اس نے اس کے متعلق آفاق سے۔ پوچھنے کا ارادہ کرلیا۔

دوسری صبح کو ناشتے کے بعد منظور کہیں چلا گیا تھا۔ آفاق اپنے کتب خانے میں بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ ساحرہ اسکے پاس گئی اسے سامنے کھڑی دیکھ کر آفاق نے کہا'' آؤ آؤ'' ! ساحرہ!

اور ساحرہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ دو منٹ بعد وہ آفاق سے مخاطب ہوئی اس گھر میں آئے ہوئے مجھے تقریباً دس گیارہ مہینے ہوتے ہیں۔ لیکن آپ نے کبھی مجھ سے دلچسپی سے بات نہیں کی۔ اتنے دنوں میں کسی روز بھی آپ نے مجھے قریب آنے یا باتیں کرنے کا موقعہ نہیں دیا۔ آخر اسکا کیا سبب ہے ؟۔

"سبب تو کچھ نہیں۔ تم خود دیکھ رہی ہو کہ میں کس قدر مصروف رہتا ہوں۔ ایک سکنڈ کی فرصت نہیں۔ اور اس کے علاوہ میں زیادہ تر تنہائی پسند اور کم گو آدمی ہوں۔ میں کیا کروں یہ میری فطرت ہے۔ اور تم کو یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوگی کہ اس عادت کی وجہہ سے دنیا میں کوئی میرا دوست نہ بن سکا۔ ایک صرف منظور ایسا انسان ہے جو بچپن سے میری فطرت سے واقف ہے اور ابتک اپنی دوستی کو نبھائے جارہا ہے۔ اسی لئے میں شادی کے خلاف تھا۔ مگر والدین کی ضد کے آگے ایک نہ چل سکی۔ وہ اسی طرح لکھتا رہا۔

" تو کیا زندگی بھر مجھے اسی طرح ریگستانی علاقے میں زندگی بسر کرنی پڑیگی؟ ساحرہ کی آواز بھرا گئی۔

آفاق نے قلم رکھدیا۔ "نہیں! امید رکھو! اس ریگستان میں سفر کرتے ہوئے تم کو بہت جلد نخلستان بھی مل جائے گا۔ جہاں تم کو زندگی کی ساری خوشیاں مل جائیں گی ساحرہ۔ آفاق مسکرانے لگا۔ چند دن صبر کرو! صرف میرے ماںباپ کے لئے آفاق نے التجا کی۔

منظور کمرے میں داخل ہوا۔ اپنی ہیٹ ایک طرف رکھکر کرسی پر بیٹھکر پاؤں دراز کردیئے۔

"پیروں میں اتنا درد ہو رہا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ وہ بولا

"پیدل کیوں گئے تھے؟ آفاق نے سوال کیا۔

"تم نہیں سمجھ سکتے پیدل چلنے سے انسان کی صحت کتنی اچھی رہتی ہے آج کل ذرا میرا پیٹ

بڑھ رہا ہے۔ اس لئے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں توند نہ نکل آئے۔

"تو کیا ہوا مارواڑی سیٹھ سے لگو گے؟ آفاق نے قہقہہ لگایا۔

منظور بھی ہنسنے لگا۔ اور ساحرہ کو اس وقت منظور کی مداخلت سخت ناگوار گزرنے لگی۔ منظور نے پوچھا

"موکل کے ساتھ جا رہے ہو آج؟

"ہاں

"واپسی

"رات کے آٹھ بجے

"کب جاؤ گے گیارہ بجے

"کیسے؟

"وہ اپنی کار لا رہا ہے

"خوب اور میں تنہا رہوں؟

"تنہائی کیسی؟ ساحرہ جو ہیں۔ آفاق مسکرانے لگا۔ میرے خیال میں اب تم دونوں کو صلح کر لینی چاہئیے؟ یہ منہ پھلائے دور دور رہنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میری رائے ہے کہ تم ساحرہ کو کہیں تفریح کے لئے لیجاؤ اور کھانا بھی وہیں کھاؤ! رحمت بی ساتھ رہینگی اور دوسرے نوکر بھی ساتھ جائینگے۔

"فرمائیے! آپ کی کیا رائے ہے؟ منظور ساحرہ سے مخاطب ہوا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔؟ ساحرہ نے سختی سے جواب دیا۔

منظور آفاق کا منہ دیکھنے لگا۔ آفاق بولا۔ اگر میری خاطر اور میری خوشی منظور ہے تو تم ضرور منظور کے ہمراہ جاؤ گی۔

ساحرہ نے جواب نہیں دیا۔ اور کمرے سے نکل گئی۔



گیارہ بجے آفاق اپنے موکل کے ساتھ اسکے گاؤں کو چلا گیا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت میز پر منظور اور ساحرہ دونوں ہی تھے خاموشی کے ساتھ کھانا ختم ہو گیا۔ اس کے بعد منظور

ساحرہ کے پاس گیا۔

"معاف کرنا میں بغیر اجازت آگیا۔ آؤ ذرا رمی کھیلیں

"میں نہیں کھیلونگی۔ ساحرہ نے بیزاری سے جواب دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو مجھ سے خواہ مخواہ کا بیر کیوں ہے۔

"تمہاری چالوں سے 'حرکتوں سے' باتوں سے۔ ساحرہ نے سختی سے جواب دیا۔

"اچھا مجھے معاف کر دیجئیے! آئیندہ سے آپ کی شان میں کوئی بے ادبی نہیں ہو گی۔ منظور کی آواز بھرانے لگی۔ ساحرہ نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا منظور کی آنکھیں بھیگی ہوئی معلوم ہوئیں ساحرہ کا دل ذرا پسیجا۔

وہ بولی

"وعدہ کیجئے کہ آئیندہ سے بے تکی باتیں تو نہ کرئینگے مجھ سے؟

"وعدہ کرتا ہوں۔ اسوقت بھی منظور کی آواز دکھ سے کانپ رہی تھی۔

"اچھا تو چلئیے رمی کھیلیں!

"چلو

"دونوں ہال میں بیٹھکر رمی کھیلنے لگے۔ دو ہی کھیل کھیل کر منظور بیزار ہو گیا۔ اس نے سگریٹ جلالیا۔ وہ ساحرہ سے مخاطب ہوا۔

"میری داستان زندگی بھی عجیب وغریب ہے ساحرہ! اس نے اک لمبی گہری سانس لی۔ جس طرح تم کو میرا دوست نرالا نظر آتا ہے اسی طرح میری زندگی بھی عجیب وغریب ہے بلکہ یوں سمجھو کہ ہم دونوں دوست نرالے قسم کی زندگیاں گذار رہے ہیں۔ اس نے بہت سے سگریٹ کے کش لئے۔

ساحرہ نے جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی

"آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟

"منظور ساحرہ کی نظروں میں نظریں ڈالکر مسکرایا۔ ساحرہ نے نظریں جھکالیں

"مجھے تو آپکا اس طرح سے تنہا رہنا بالکل پسند نہیں۔

"وقت آنے پر تنہائی خود بہ خود دور ہو جائیگی۔ مجھے تنہائی کی فکر نہیں۔ وہ اسی طرح مسکراتا

رہا۔

"جب تنہائی کر فکر نہیں تو کھوئے ہوئے سے کیوں رہتے ہیں آپ؟

"یہ نہ پوچھو ساحرہ! منظور اٹھکر ٹہلنے لگا۔

"کسی سے محبت کرتے ہیں آپ؟ ساحرہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہونھ! منظور مسکراتا ہی رہا۔

"تو پھر شادی کیوں نہیں کر لیتے؟

"وقت کا انتظار ہے۔

"وقت آپ خود مقرر کر سکتے ہیں۔

" نہیں ابھی نہیں۔ اس سے میرے دوست کا دل ٹوٹ جائیگا جسے میں اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہوں۔ دوست تو بہت سے ہوتے ہیں لیکن دل سے چاہنے والے دوست کمیاب ہیں ساحرہ۔

میری جان چاہنے والے بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔

مطلبی اور خود غرض دوست تو بہت ہیں۔

"شائد آپ کا مطلب آفاق سے ہے؟

"بالکل

آپ کی شادی سے ان پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

"بعض باتیں ایسی ہیں جو سب سے کہی نہیں جاتیں۔

"مجھ سے بھی نہیں؟

"منظور نے سگریٹ پھینکدیا اور ساحرہ کے قریب جاکر کھڑا ہو گیا۔ وہ گھبرا کر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ مجھے ان نظروں سے کیوں دیکھتے ہو اس پر دعوئی ہے کہ اپنے دوست کو دل سے چاہتے ہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں آپ کیوں ایسی حرکتیں کرتے ہیں آخر؟ ساحرہ غصے سے چلائی۔

"معاف کرنا ساحرہ! میں کبھی کبھی پاگل سا ہو جاتا ہوں۔ کیا کروں؟ وہ کمرے میں تیزی سے

ٹہلنے لگا۔

''میں آسکتی ہوں! پردے کے پیچھے سے آواز آئی۔

''کون مس جارج!

''جی''

''آجاؤ!

مس جارج نے کمرے میں پہونچکر کچھ کاغذات بتائے پھر واپس چلی گئی۔

منظور نے ساحرہ سے کہا۔ یہ میری نئی منشی ہے۔

تو میں کیا کروں؟ ساحرہ اسی غصہ کے انداز سے بولی۔

''یونہی تعارف کرادیا۔ اس نے سگریٹ جلایا۔ اور گنگنانے لگا۔

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے

ساحرہ نے انتہائی غصے کے ساتھ قریب آکر منظور سے پوچھا۔

''آخر تم مجھے کیا سمجھتے ہو منظور؟

''میں؟ میں؟ میں؟ میں تو تم کو جو سمجھنا چاہئیے وہی سمجھ رہا ہوں؟

''یعنے وہ شیرنی کی طرح گرجی

''میں تو صرف مذاق کر رہا ہوں اور تم ناراض ہو رہی ہو۔

'' میں کوئی آوارہ عورت نہیں ہوں۔ مجھ سے مذاق کرنے کے لئے۔ اب تو جب تک تم جی بھر کر جوتیاں نہ کھالو گے سیدھے نہ ہو گے۔

''سر حاضر ہے ماریئے سرکار۔ منظور نے اپنا سر خم کردیا۔

''منظور اگر کل تک تم اس گھر سے نہ چلے گئے تو میں خود ہمیشہ کے لئے یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤنگی۔ سمجھے! وہ انتہائی غصے کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ منظور ایک آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔

جب آفاق واپس ہوا تو رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ اس کے آتے ہی سب نے کھانا کھایا۔ اور رات کو تاریک کمرے میں ساحرہ نے منظور کی شکایتیں کیں جسکا جواب نہیں دیا گیا اور

حسب معمول تاریک کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔

رات کے دو بجے جب وہ بیدار ہوئی تو شب خوابی کا چراغ جلا لیا اور تکیوں میں منہ چھپا کر ہچکیاں لینے لگی صبح کو وہ میکے جانے کے لئے آفاق سے اجازت لینا چاہتی تھی۔ مگر مصروفیت کی وجہ سے وہ باہر ہی رہا۔ اور ناشتے کی میز پر وہ منظور کے آگے کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی۔ جب ناشتہ ہو چکا تو وہ آفاق کے پاس پہونچی۔

"میں میکے جانا چاہتی ہوں۔

"کیوں کیوں؟ آفاق پریشان ہو گیا۔

جب تک منظور اس گھر میں ہیں میں یہاں نہیں رہونگی۔ اس گھر میں یا تو وہ رہیں یا میں۔

آفاق سوچنے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟ اگر آپکو دوست پیارا ہے تو اسکا ساتھ دیجئے۔ اور مجھے میرے میکے بھجوا دیجئے! اس کے لہجے میں شروع سے اسوقت تک غصہ تھا ناراضی تھی۔

"مجھے سوچنے دو ساحرہ!

"اچھی بات ہے سوچ لیجئے! میں نے اس کے بارے میں پہلے ہی سوچ لیا ہے اگر آپ میرے بھیجنے کا انتظام نہ کرینگے تو میں خود رحمت بی کو ساتھ لے کر چلی جاؤں گی۔

آفاق ساحرہ کا منہ دیکھنے لگا۔ اس کے بعد وہ کمرے سے نکل گئی آفاق نے منظور کو بلوایا اور ساحرہ کی گفتگو اس سے بیان کی پھر دونوں دوست ملکر سوچنے لگے۔ منظور بولا۔

"تم کو آزردہ ہونیکی ضرورت نہیں آفاق! میں دوسرا مکان کرایہ پر لے لونگا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے منظور؟

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ تمہارے لئے میں اپنی جان دولت عزت سب کچھ قربان کرنے کے لے تیار ہوں آفاق۔ میں ہر حال میں خوش رہونگا۔ میرے دوست! منظور نے اپنی باہیں آفاق کے گلے میں ڈالدیں۔ آفاق نے منظور کو سینے سے لپٹا لیا۔

اس کے دوسرے دن منظور گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ جاتے وقت وہ ساحرہ سے ملا بھی نہیں۔ اور جب منظور گھر سے چلا گیا تو ساحرہ نے دو رکعت نماز شکرانہ پڑھی۔

O

آفاق کو کبھی کام سے فرصت نہ ملتی۔ اور وہ کبھی ساحرہ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں نہ کرتا۔ آفاق کے اس طریقے سے وہ پہلے ہی رنجیدہ اور پریشان رہا کرتی جب منظور چلا گیا تو اس کی پریشانی اور بڑھ گئی اس وقت وہ منظور کو گھر سے نکال کر پچھتانے لگی۔ کچھ بڑا تو نہ تھا منظور مگر اس کی نظریں اور اس کا گانا ان دو چیزوں سے ساحرہ کو نفرت اور ضد سی ہو گئی تھی۔ اس کے سوا تو بیچارے منظور نے اس کے حق میں کوئی برائی نہیں کی تھی۔

اس وقت وہ بالکل تنہا تھی۔ اور بہت پریشان بھی کاش کوئی اس کی تنہائی دور کرنیکے لئے آجاتا۔ آفاق سے تو وہ ناامید ہو چکی تھی۔ بڑا سہی اگر اس وقت منظور ہی آجائے تو اس کا وقت کٹے۔ سینے ' پرونے ' پڑھنے لکھنے 'کسی میں بھی وہ انتہائی کوشش کے باوجود اپنا دل نہ لگا سکی۔ وہ رونے لگی۔ کیسی پھوٹی قسمت ہے اسکی۔ راتیں تاریکیوں میں گزرتی ہیں اور دن خاموشیوں میں۔ اس ڈیڑھ سال کے عرصے میں کسی دن بھی تو آفاق نے اس سے جی بھر کر بات چیت نہیں کی تھی۔ سینما' سیر تفریح کہیں بھی تو وہ اسے اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ اس سے تو منظور ہی بہتر ہے جو ہر وقت کسی نہ کسی طرح اسکا دل بہلایا کرتا تھا۔ کاش منظور خود ہی واپس آجائے تو وہ کبھی بھی اسے یہاں سے جانے کے لئے نہ کہیگی۔

شام کو آفاق کے آنیکے بعد ساحرہ نے اپنی تنہائی کا گلہ کیا۔

"اسی لئے میں منظور کو اس گھر میں رکھتا تھا کہ تم کو تنہائی محسوس نہ ہو میں بہت مصروف آدمی ہوں اور بہت عدیم الفرصت رہتا ہوں۔ اب کیا کیا جائے بتاؤ! اگر اب بھی تم پسند کرو تو میں منظور کو واپس بلوالوں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

"تو پھر تنہا رہو۔ کیونکہ دوسرے لوگوں سے ملنا جلنا مجھے بالکل پسند نہیں۔

"آپ مجھ سے کب کا انتقام لے رہے ہیں۔ جب آپکو بیوی سے دلچسپی نہ تھی تو شادی کیوں کی؟ ساحرہ نے سختی سے سوال کیا۔

"اس غلطی کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔

"اس غلطی کے پیچھے کسی کی جان چلی جائے؟ آپکو پرواہ نہیں؟

اس سوال میں غم و غصہ دونوں شامل تھے۔

"صاحب! نوکر نے باہر سے پکارا

"کیا ہے؟

"منظور علی صاحب سرکار کے پاس سے آدمی چھٹی لے کر آیا ہے۔

"آنے دو!

منظور کا نوکر ہال میں داخل ہوا۔ سلام کر کے چھٹی دی۔

ڈیر آفاق!

امید کہ تم خیریت سے ہو گے۔ کل تمہاری سالگرہ ہے۔ اس خوشی میں کوئی پروگرام ضرور ہونا چاہئے۔ اس لئے کل ایک چھوٹی سی دعوت کے بعد ناچ گانے کا انتظام میں نے کیا ہے۔ تم اپنے بنگلے کو ذرا ٹھیک کر کے رکھو۔

فقط

تمہارا منظور

آفاق نے چھٹی کا جواب لکھا

پیارے منظور

چھٹی ملی۔ کیفیت معلوم ہوئی۔ تم یہاں آجاؤ۔ سالگرہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہو گی ساحرہ تمکو سلام بھجوا رہی ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہاں آنے کی درخواست بھی۔

فقط

تمہارا آفاق

آفاق نے چھٹی پڑھ کر ساحرہ کو سنائی۔ اس نے اسکا جواب کچھ نہیں دیا اس کے تھوڑی دیر بعد ہی منظور ان دونوں کے بیچ میں پہونچ گیا۔ دونوں دوست تپاک سے گلے ملے قہقہے لگائے۔ ساحرہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ کیونکہ آفاق نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ منظور کے آنے پر یہاں سے چلی نہ جائے۔

"میری سالگرہ کے بارے میں جو پروگرام بنایا ہے۔ وہ تو سنا ہے۔

"پہلے نمبر ایک "میرے ایک شاعر دوست ہیں۔ وہ تمہاری سالگرہ کے بارے میں اپنی نظم سنائینگے اس کے بعد نمبر دو ناچیز اپنا گانا سنائے گا۔

کونسا گانا؟ آفاق نے پوچھا

منظور بولا۔

بہاریں لٹادیں جوانی لٹادی
تمہارے لئے زندگانی لٹادی

خوب خوب! نمبر تین

"نمبر تین میری منشی مس جارج اپنا ناچ بتائے گی۔

"اسی فراک میں یا ساڑی میں۔؟

"ہونہہ ! ساڑی تو وہ خواب میں بھی باندھنا نہیں جانتی۔

"اس کے بعد نمبر چار؟

"تم بتاؤ

"نمبر چار دستر خوان۔ آفاق ہنسنے لگا۔

"اور نمبر پانچ مسز آفاق کی طرف سے مہمانوں کا شکریہ! دونوں دوستوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور ساحرہ ہونٹوں میں مسکرائی۔

دوسرے دن' سالگرہ ہوئی اور اس کی صبح کو دستر خوان پر باتیں ہونے لگیں۔

"پسند آیا تمکو مس جارج کا ناچ؟ آفاق نے سوال کیا۔

"بالکل نہیں۔ مجھے بھی نہیں۔ آفاق نے جواب دیا اور تمکو ۔

"میرے دل میں تو ہندوستان کی عورت کے سوا کسی کی عزت نہیں ے اور آنکھیں اس کے حسن کے سوا کسی ملک کی عورت کے حسن کو پسند نہیں کرتیں تمہارا کیا خیال ہے؟

"میں تمہارے خیال کی تائید کرتا ہوں تم بالکل سچ کہہ رہے ہو۔

"ہندوستانی عورت! یہاں کے ہر لباس اور ہر سنگار میں مقناطیسی طاقت رکھتی ہے۔ منظور

ہاتھ دھونے لگا۔ پھر تولیئے سے ہاتھ پونچھکر سگریٹ جلاتا ہوا بولا۔ "مانگ میں افشاں! آنکھوں میں کاجل! ہونٹوں پر مسی! ہاتھوں میں مہندی! کلائیوں میں چوڑیاں! اور اس پر ساڑی! لہنگا! پاجامہ ڈوپٹہ! جو بھی پہنے آسمانی حور معلوم ہوتی ہے۔

"بالکل ٹھیک! آفاق نے ساتھ دیا۔

"اچھا تو آج سے چوتھے دن تمہارا یوم عقد ہے کچھ کروگے نہیں اس کے لئے آفاق ہسنے لگا۔

"چلو اسکی تیاری بھی میرے ذمے۔ مگر ذرا شاندار پیمانے پر منایا جائے!

"ضرور! ضرور کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ آفاق ہنستا رہا۔

"اس تاریخ کو تمہاری شادی ہوکر دو سال ہوتے ہیں۔

"جی ہاں۔ آفاق بولا۔ اچھا تو اسکا پروگرام؟

"پروگرام تو ساحرہ بنائینگی۔

اسوقت ساحرہ وہاں موجود نہ تھی۔ منظور بولا۔

"پروگرام صرف ایک ہی۔ دعوت کے بعد بالکل تنہائی میں ساحرہ کا رقص۔

"اجی وہ دیہاتی لڑکی۔ کیا جانے ناچ اور گانا۔

"گانا بھی نہیں جانتی؟

"میں تو نہیں سمجھتا ہوں کہ وہ گا بھی سکتی ہے۔

"تو اسے ناچ گانے کی تعلیم دینی چاہئے!

"آفاق ہنسنے لگا۔ ساحرہ نے آتے ہوئے جواب دیا

"مجھے اسٹیج پر کام کرنا نہیں ہے ناچ گانا سیکھنے کے لئے۔

"اوہ معاف کیجئے! مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ یہاں موجود ہیں۔ منظور بولا

"تو کیا آپ میرے پیٹھ پیچھے میری چغلیاں ہی کھایا کرتے ہیں؟

"افوہ! آپ تو ہاتھ دھوکر پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ منظور نے کہا

"اچھا تو ہم چلتے ہیں۔ آفاق نے قریب آکر ان دونوں سے کہا ساحرہ تنہا ہیں۔ انکا خیال رکھنا منظور نے جواب نہیں دیا۔ آفاق کے جانے کے بعد وہ ہارمونیم بجا کر گانے لگا۔

کیوں روٹھ گئے مجھ سے لللہ اب آجاؤ
پھر روح تمنا کو بیتاب بنا جاؤ
حسرت سی برستی ہے ناکام نگاہوں میں
ہر سانس گزرتی ہے اب موت کی راہوں میں
آہوں کے تلاطم میں ہستی کا سفینہ ہے
ناکام محبت کا جینا کوئی جینا ہے
دکھلا کے جھلک اپنی پھر حشر بپا کردو
پھر ساز جوانی میں نغمات طرب بھر دو
پھر مست نگاہوں سے مخمور بنا جاؤ
پھر قلب کو گرمادو پھر روح پہ چھا جاؤ
الفت کے فسانے ہوں مستی کے ترانے ہوں
سرشار جوانی ہو پر کیف زمانے ہوں
برکھا کی گھٹائیں ہیں مستی پہ کنارا بھی
ہنستی ہوئی آتی ہے گلشن میں بہاریں بھی
پھر کاش ہوں ویسی ہی پر کیف ملاقاتیں
الفت کے فسانوں کی ارمان بھری راتیں
عنوان مسرت ہو تاروں کی ضیا باری
عرق مئے الفت ہو احساس کی بیداری
اک عیش کی دینا ہو اک کیف کی جنت ہو
کہسار کی خاموشی پیغام محبت ہو
کیوں روٹھ گئے مجھ سے لللہ اب آجاؤ
پھر روح تمنا کو بے تاب بنا جاؤ

ساحرہ اپنے کمرے میں پڑی سنتی رہی۔اس کی آواز میں بلا کی کشش تھی وہ لوہے کی طرح مقناطیس کی طرف کھینچی چلی گئی۔منظور نے اسکی آہٹ پر پھر گانا شروع کیا۔وہ کمرے کے اندر داخل ہو گئی منظور اسی طرح گاتا رہا جب اس کا گانا ختم ہو گیا تو کرسی کی پشت سے سر لگا کر چپ چاپ لیٹ رہا۔

"بہت اچھا گاتے ہیں آپ تو! ساحرہ مسکرائی۔

"میرا تو صرف گانا ہی اچھا ہے اور کوئی چیز اچھی نہیں۔شکریہ! اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

ساحرہ اسی طرح کھڑی رہی۔منظور آفاق کی خوابگاہ میں پہونچکر بستر پر لیٹ گیا اور بہت دیر تک چپ چاپ لیٹا رہا۔ساحرہ اسے دیکھنے گئی۔اسے خاموش پا کر پوچھا

"جاگ رہے ہیں آپ؟

"ہونھ!

"کیسی طبیعت ہے؟

"سر میں درد بہت ہے۔

"چائے منگواؤں۔

"نہیں

"دوا لاؤں سر میں لگانے کے لئے؟

"نہیں

"تو پھر درد کیسے کم ہو گا؟

"تم یہاں آجاؤ!" منظور نے اشارے سے کہا۔

ساحرہ خوابگاہ میں داخل ہوئی۔بیٹھ جاؤ ساحرہ بیٹھ گئی۔

"اپنے ہاتھوں سے میرا سر دبا دو درد کم ہو جائیگا۔ منظور نے التجاء کی۔

"نہ ---- ہیں۔

"ساحرہ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو! میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔منظور نے ساحرہ کا ہاتھ

اپنی پیشانی پر رکھ لیا۔وہ آہستہ آہستہ سر دبانے لگی۔ ساحرہ!منظور نے اسے مخاطب کیا۔

"کہئیے!

"میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں ساحرہ!

ساحرہ نے اپنے ہاتھ روک لئے۔

"آپ کی انہی باتوں سے میں نفرت کرتی ہوں منظور صاحب!

وہ کھڑی ہو گئی۔

منظور بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔اور اسے اپنی باہوں میں کھینچ لیا۔

"منظور تم غدار ہو! آخر وہی ہوا جسکا مجھے ڈر تھا۔وہ انتہائی کوشش کے بعد اس کی باہوں سے باہر نکلی۔اب میں کس منہ سے آفاق کے سامنے جاؤں' بتاؤ!اسنے منہ پر ہاتھ رکھ کر رونا شروع کیا زہر پھانک لینے کے سوا اب میرے لئے کوئی چارہ نہیں۔

منظور اس کے دونوں ہاتھ زبردستی منہ پر سے ہٹائے۔اس کے آنسو پونچھے۔اور انتہائی جوش کے ساتھ بولا۔

"مجھے تم سے محبت ہے ساحرہ۔کیا کروں دل سے مجبور ہوں۔

ساحرہ زبردستی اپنے ہاتھ چھڑا کر وہاں سے بھاگی اور اپنے کمرے میں پہونچ کر زار زار رونا شروع کیا۔اور اس رات کو تاریک کمرے میں اس نے منظور کی آج کی حرکتیں تفصیل سے بیان کر کے بہت روئی۔ مگر حسب معمول اسے خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں ملا۔



صبح ساحرہ اپنے کمرے میں موجود نہ تھی۔رحمت بی کا بھی پتہ نہ تھا آفاق کے نام ایک خط تھا۔

حضرت آفاق صاحب!

قدمبوسی!

آپ کو اپنا دوست پیارا اور بہت ہی پیارا ہے آپ بغیر اس کے زندگی بسر نہیں کر

سکتے۔ اس لئے آپ اپنے دوست کا ساتھ دیجئے! میں تو جا رہی ہوں۔

فقط

ساحرہ

دونوں دوستوں نے خط پڑھا اور سناٹے میں آگئے۔ منظور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ آفاق سوچنے لگا۔ لمحہ بھر کے لئے دونوں دوستوں کی نگاہیں ملیں اور جھک گئیں آفاق بولا۔ ''میں اسے ضرور واپس لاونگا۔ مگر میرے آنے سے پہلے تم اپنے مکان میں واپس چلے جاو منظور۔''

''منظور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آفاق ساحرہ کو واپس لانیکے لئے اسی وقت روانہ ہوا اور اسوقت اس کے میکے پہونچا جبکہ اسے وہاں گئے ہوئے چند گھنٹے ہوئے تھے۔ اس نے ساحرہ سے التجاء کی کہ وہ منظور کے بارے میں کوئی بات اپنے والدین کو نہ بتائے اور اس کے ہمراہ واپس چلے۔ کیونکہ منظور اپنے مکان کو واپس چلا گیا ہے اور آفاق کی التجاء وزاری سے مجبور ہو کر ساحرہ پھر اس کے ہمراہ چلنے کے لئے تیار ہو گئی۔ اور والدین سے اچانک آنے اور جلدی سے واپس جانیکا کوئی سبب نہیں بتایا۔

جب ساحرہ گھر میں داخل ہوئی تو منظور موجود نہ تھا۔ اس کے تیسرے دن اسکا یوم عقد تھا۔ آفاق کے حسب الحکم وہ اس کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی اور جب یوم عقد نمودار ہوا تو منظور بھی شریک محفل ہوا۔ مختصر سا پروگرام تھا۔

ہجڑوں کا ناچ۔ آفاق کے چند دوستوں کے گانے ''مس جارج کا ڈانس اور ایک ہندوستانی رقاصہ بھی ناچ میں بلائی گئی تھی سب سے آخر میں منظور کی باری تھی۔ اس نے ہارمونیم اور طبلے پر گایا۔

راز سینے میں چھپانا بھی پریشانی ہے
کردوں اظہار تو سامان پشیمانی ہے
مرے منصف یہ بتا فیصلہ کس کو دے گا
ایک دنیا میرے محبوب کی دیوانی ہے

انکی چوکھٹ پہ اگر مل گئی تھوڑی سی جگہ
میں تو کہہ دونگا یہی تخت سلیمانی ہے
منزل عشق کی دشواریاں اللہ اللہ
راہبر کوئی نہیں راہ بھی انجانی ہے
کون سی شئے پہ بھلا اتنا غرور اے اکبر
جب کہ معلوم ہے ہر چیز یہاں فانی ہے۔

اس آواز پر ساحرہ کے دل میں بجلیاں سی گرنے لگیں۔ وہ آواز کی طرف کھنچی چلی گئی۔ وہ پردے کے قریب آ گئی۔ اور محویت کے عالم میں دیوار سے سر لگا کر سننے لگی۔ منظور گائے جا رہا تھا۔ اسکا گانا ختم ہوا۔ سب دوست چلے گئے۔ منظور بھی چلا گیا۔ ساحرہ آفاق کے قریب پہونچی۔

" آپ کی خاموشی اور عدیم الفرصتی سے میں بیزار ہو گئی ہوں۔ خدا کے لئے آپ مجھے تنہا نہ چھوڑا کیجئے۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آفاق نے جواب نہیں دیا۔ اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ آخر میں بھی تو انسان ہوں۔ میرا دل بھی آپ سے ہر وقت قریب رہنے کو چاہتا ہے۔ اس کے آنسو برس پڑے۔ نہ جانے آپ اتنے بیدرد کیوں ہیں۔ میری کسی بات کا بھی جواب نہیں دیتے!۔

آفاق جواب دیئے بغیر ٹہلتا رہا۔ پھر وہ اپنی خوابگاہ میں گیا۔ اور ساحرہ اپنی خوابگاہ میں داخل ہوئی۔ مکان کو ٹھیک کرتے وقت اس نے آفاق کی لاعلمی میں اپنے کمرے میں بھی بجلی کا بلب لگا لیا تھا۔ جو مسہری کی چھت کے اوپر چھپا ہوا آفاق کی نظروں سے پوشیدہ رہا۔ وہ اپنی خوابگاہ میں داخل ہوئی۔ آئینے میں اپنے آپکو دیکھا گندمی رنگت' موزوں خط و خال' میانہ قد' پتلی سی کمر پر زریں' کنارے کی چولی جس پر زرتار پلو ڈھلکا چلا جا رہا تھا۔ حیدرآباد دکن میں کانوں میں جھمکے' گلے میں جڑاؤ لچھا' چندن ہار' ہاتھوں میں چوڑی کا جوڑا' اس پر پہونچیاں انگلیوں میں انگوٹھیاں' مہندی سے رچے ہوئے ہاتھ' آنکھوں میں کاجل

ہونٹوں پر مسی' چوٹی میں موتیا کا گجرا !۔وہ اپنی جوانی اپنا حسن اور اپنا سنگار دیکھ کر مسکرائی۔ وہ آئینے میں اپنی آنکھوں سے بولی۔ ''آج میں بتاؤں گی۔ بجلی کی روشنی میں بتاؤں گی کہ میں کیا ہوں۔

پھر وہ شرما گئی اسکا جسم پسینے سے بھیگ گیا اس نے شب خوابی کا لیمپ گل کر دیا۔ قدموں کی چاپ پر وہ بستر سے اتر کر نیچے کھڑی ہو گئی۔ اور انتہائی محبت کے ساتھ شوہر کے قدموں سے لپٹ گئی۔ شوہر نے بھی اسے محبت کے ساتھ سینے سے لگالیا۔ ساحرہ بولی۔

''آج اس تاریک کمرے کو میں روشن کرنا چاہتی ہوں۔ میرا دل اس تاریکی سے گھبرا گیا ہے۔ بیزار ہو گیا ہے۔ اس کی آواز دکھ سے گلوگیر ہونے لگی وہ آگے بڑھی۔ شوہر نے اسکا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر آگے بڑھنے سے روکا۔ مگر اس کا دوسرا ہاتھ سوئچ پر پہونچا اور سکنڈ بھر کے اندر سارے کمرے میں بجلی کی روشنی پھیل گئی ساحرہ مڑی۔ اس نے کچھ دیکھا اور اس غیر متوقعہ چیز کو دیکھ کر وہ ایک چیخ کے ساتھ مسہری کے ساتھ ٹکرا کر زمین پر گری۔ اس کے بعد وہ بالکل ساکت تھی۔ اس کے شوہر نے اسے اٹھا کر بستر پر لٹا دیا۔ کچھ دیر بعد اس کے حواس ٹھکانے لگے۔''

''آپ یہاں۔ میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں۔ کہیں یہ خواب تو نہیں؟''

''تم بالکل ہوش میں ہو اور اپنے مجازی خدا یعنے اپنے شوہر کے پاس ہو۔ میری ملکہ! شوہر نے جواب دیا۔

''لیکن یہ کیا معمہ ہے۔ مجھے بیچ میں رکھ کر یہ ناٹک کیوں کھیلا جا رہا ہے ۔اور پھر میں کیسے یقین کروں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں؟ اسکا کوئی ثبوت؟ ساحرہ غم وغصے کے ساتھ اٹھ بیٹھی

''اسکا ثبوت؟ پہلی ہی رات کو آفاق نے تمہیں بتا دیا تھا کہ اسے الگ خوابگاہ میں تنہا سونے کی عادت ہے اور پھر تاریک کمرے میں۔

'' لیکن میں کیسے یقین کروں؟ وہ شرم وحیا سے تکئے پر خم ہو گئی۔

''ایک غیر آدمی کو بلاناغہ اس طرح ایک عورت کے پاس آنے کی جرات کیسے ہو سکتی ہے؟

منظور نے سوال کیا۔

"لیکن نکاح کے وقت تو آفاق کا نام ہی لیا گیا تھا

"ہم دونوں ہم نام ہیں۔ صرف ولدیت علحدہ ہے۔ اسی لئے یہ نکاح خاندان سے دور دراز مقام پر کیا گیا۔ جس میں وطن کے کوئی لوگ شریک نہیں کئے گئے۔ محض اس لئے کہ اصلیت ظاہر نہ ہونے پائے۔

"اصلیت کو چھپانے کا مطلب کیا تھا آخر؟

منظور نے ساحرہ کو تکیئے پر سے اٹھایا۔

"ہوا یہ کہ ہم دونوں جب پڑھنے کے لئے ولایت چلے گئے تو آفاق کے والدین نے اس کی نسبت یہاں پکی کرلی۔ اور جب وہ واپس آیا تو اسے شادی کیلئے مجبور کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس کے والدین نے شادی کے لئے اس کے پیروں پر سر رکھدیا۔ اور وہ شادی کے لئے مجبور ہو گیا۔ لیکن وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اس شادی سے ایک معصوم لڑکی کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیگی۔

"کیوں؟ ساحرہ کی مست نگاہیں منظور کی طرف اٹھیں۔

"اس لئے کہ ڈاکٹروں نے اسے زندگی بھر کے واسطے شادی کے لئے منع کر دیا ہے۔ اور اپنے اس عیب کی خاطر وہ شادی کے خلاف تھا۔ والدین کی آرزو کے سامنے مجبور ہو کر اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں تم سے نکاح کرلوں لیکن شادی کی رسمیں اس کے ساتھ ہوں تا کہ اس کے والدین کی اپنے بیٹے کا سہرا دیکھنے کی آرازو بھی پوری ہو جائے اور ایک انجان لڑکی کی زندگی بھی بگڑنے نہ پائے۔ اس لئے وہ تم سے ہر وقت دور دور رہتا اور کمرے کو تاریک اس لئے بنادیا گیا تھا کہ اصل حقیقت سے تم ناواقف رہو۔

"مجھے ناواقف رکھنے سے کیا فائدہ ہوا؟

"اگر تم کو اس وقت معلوم ہو جاتا کہ تم اصل میں منظور کی منکوحہ ہو تو ہر گز تم اس گھر میں

رھنے کو پسند نہ کرتیں۔ اس طرح اصل راز ظاہر ہو کر اسکے والدین کے دکھ اور آفاق کی شرمندگی کا باعث بنتا۔ آیا سمجھ میں؟

منظور مسکرا دیا۔

"میں آفاق کو بہت چاہتا ہوں۔ ہم ساتھ پڑھے' ساتھ رہے اور ساتھ کھیلے ۔ لیکن اس کی خبر نہ تھی کہ اسکی زندگی ناکامیاب ہو جائیگی ۔ ساحرہ میں تم سے ایک درخواست کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ ابھی تم آفاق پر ظاہر نہ ہونے دو کہ تم اصل راز سے واقف ہو گئی ہو۔ میں اس کی آنکھوں میں ندامت یا آنسو دیکھنا نہیں چاہتا۔ ساحرہ!

" لیکن میں نکاحنامہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس وقت تک آپکو یہاں آنیکی ضرورت نہیں۔

ساحرہ ناراضی سے بولی۔

"الیف لیلی کی ساری داستان تو ختم ہو چکی۔ منظور ہنس پڑا

"جو کچھ بھی ہو۔ میں اس کاغذ کو آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔

" کاغذ نہ جانے کہاں ہے۔ مگر قسم کا تو اعتبار کرو گی نا؟

"کیوں نہیں۔

"منظور قرآن مجید لے آیا اور اس کتاب مقدس کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر بولا۔

"میں اس کتاب مطہر کی قسم کھا کر تم کو یقین دلاتا ہو نکہ تمہارا عقد مجھ سے ہوا ہے اور تم میری بیوی ہو۔

ساحرہ نے کتاب ہاتھ سے لے لی۔ اسے میز پر رکھدیا۔ اور شوہر کے قریب آکر پوچھنے لگی۔

"اب تو آفاق صاحب کے سامنے جاتے بھی مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔

" دیکھو میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ تمہارے رویئے میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیئے۔ تم بالکل انجان بنی رہو۔ اور پہلے کی طرح گھر کے کاروبار انجام دو!

"آخر کب تک؟

”اس وقت تک جبتک کہ آفاق خود اس راز کو ظاہر نہ کر دے!

”مگر آپکو میری لاعلمی کی وجہہ سے خوب سخت وسست سننا پڑا ساحرہ سر جھکا کر مسکرانے لگی

”مجھے تمہاری انہی باتوں میں زندگی کا لطف ملتا رہا۔ منظور بھی مسکرا دیا

”آپ مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر تو نہیں جائینگے۔ ساحرہ نے کچھ سوچ کر پوچھا کیونکہ ان دو سالوں میں میں نے ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ جب بھی میری آنکھ کھلی ہے میں بستر پر بالکل تنہا تھی۔ اس کے بعد میں نے ساری رات تڑپ تڑپ کر گزاری ہے۔

” تو کیا میں تنہا رہ کر خوش تھا۔؟

”آپ مرد ہیں اور آپکے لئے دل بہلانے کے کئی مشغلے ہیں۔ عورت کی طرح قیدی تو نہیں۔؟

”مجھے صرف اپنے دوست کی خاطر منظور تھی۔ اسی خیال سے میں تم کو تنہا چھوڑ کر چلا جاتا تھا کہ کہیں تم اصلیت سے واقف نہ ہو جاؤ! اور اب بھی میں یہی دعا کر رہا ہوں کہ آفاق کو تمہارے واقف ہو جانے کا علم نہ ہو!

اس رات منظور صبح سحری کو کمرہ چھوڑ کر نہیں گیا۔ اور صبح اٹھ کر حسب معمول ساحرہ گھر کے انتظام میں مصروف ہو گئی۔ مگر آفاق کے سامنے جانے سے وہ بہت شرم محسوس کر رہی تھی۔ اور منظور کے حسب الحکم بڑی مشکل سے وہ اپنے جذبات کو ابھرنے سے روکتی رہی۔

ناشتے کے بعد حسب عادت آفاق باہر چلا گیا۔ اور منظور اور ساحرہ ایک دور دراز مقام پر تفریح کے لئے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد نوکر آپس میں باتیں کرنے لگے۔

باورچی بولا۔

”مجھے بیگم صاحب کے رنگ ڈھنگ کچھ اچھے نہیں معلوم ہوتے۔

"میں تو شروع سے یہ چیز دیکھ رہا ہوں۔ ایک دوسرا نوکر بولا۔

"نہ جانے ہمارے صاحب کو کیا ہو گیا کہ منظور میاں صاحب کے بھروسے پر بیوی کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ تیسرے نوکر نے کہا۔

"میں نے کبھی بھی اپنے صاحب اور بیگم صاحب کو دل لگا کر بات چیت کرتے نہیں دیکھا۔ مالی نے کہا۔

"اس لئے بیگم صاحب ہمیشہ منظور میاں صاحب سے باتیں کیا کرتی ہیں۔

باروچی بولا

"مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ مالی بولا۔ ہمارے صاحب کچھ۔ اسنے زبان روک لی۔

"کچھ کیا دوسرے نوکر نے پوچھا۔

"ان کو شادی کی ضرورت نہیں تھی مالی نے جواب دیا۔

"الو ہو تم؟ تیسرے نوکر نے کہا۔ "ضرورت نہیں ہوتی تو کیوں کرتے شادی؟

چلاتے کیوں ہو جی۔ مالی نے اس کی سرزنش کی۔

"پھر تم بکواس کیسی کر رہے ہو؟ اسی نوکر نے سوال کیا۔ بات اصل یہ ہے کہ ہمارے صاحب کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ کام میں لگے رہتے ہیں۔ بیگم صاحب کا دل نہیں لگتا۔ اس لئے منظور میاں صاحب سے دل بہلا رہی ہیں۔ آج کل اکثر جگھوں پر ایسا ہو رہا ہے۔

"یعنے کہ بیویاں اپنے شوہر کے دوستوں کے ساتھ دل بہلانا برا نہیں سمجھتیں۔ اور شوہروں نے ان کو اسکی اجازت دے دی ہے۔

تیسرا نوکر بولا۔

"سب جائیں چولھے بھاڑ میں۔ مگر ہماری بیگم صاحب کا یہ طریقہ تو ہمکو بالکل پسند نہیں باروچی نے کہا۔

"تعجب ہے کہ ہمارے صاحب بھی چپ رہتے ہیں۔ دوسرا نوکر بولا۔

"جب ہی تو وہ دونوں آزادی کے ساتھ ملتے جلتے اور ادھر ادھر گھومتے رہتے ہیں۔ مالی نے

کہا

’’میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری بیگم صاحب کو صاحب سے نہیں بلکہ منظور میاں صاحب سے

محبت ہے۔ باورچی بولا۔ اجی یہ تو دیکھو بڑھیا ہے یا ان کے ساتھ چلی گئی۔

’’ساتھ گئی ہے۔ دوسرا نوکر بولا۔ اگر میری بیوی ایسا کرتی تو میں تو اسے جان سے مار ڈالتا۔

وہ انتہائی جوش سے بولا۔

’’میں تو سالی کو زندہ گاڑ دیتا۔ مالی نے کہا

’’سنگسار نہ کرتا اگر میں ہوتا۔ باروچی نے اکڑ کر کہا

’’میں تو دونوں کو ختم کر دیتا۔ تیسرا ملازم چلا پڑا۔

’’سالا ڈرائیور سب جانتا ہے۔ مگر کچھ نہیں بتاتا۔ انعام پاتا ہوگا۔

دوسرے نوکر نے کہا۔

’’بڑھیا بھی کٹنی معلوم ہوتی ہے۔ باروچی بولا۔

’’وہ تو میکے سے ساتھ آئی ہے۔ وہ بیگم صاحب کا نہیں تو کیا صاحب کا ساتھ دیگی۔ اسکو تو

اپنی بی بی کی ہر بات اچھی لگے گی۔ مالی نے کہا۔

’’باروچی بولا اب بچارے صاحب آئینگے اور اکیلے کھانا کھا کر چلے جائینگے۔

تیسرے نوکر نے کہا۔ ہم سب کے پیٹوں میں درد کیوں؟ جب صاحب ہی کو یہ چیز پسند ہے

تو ہمیں کیا؟

بہر حال نوکروں کی پوری جماعت منظور اور ساحرہ کے خلاف ہو رہی تھی اس روز میاں

بیوی دونوں رات کے تقریباً گیارہ بارہ بجے گھر لوٹے۔ اس رات آفاق بھی اپنے کسی

موکل کے ساتھ مستقر چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا۔ کھانا وہ ہوٹل سے کھا کر آئے تھے اس لئے

انھوں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔

O

شوہر کی اصلیت معلوم ہونے کے بعد سے باوجود کوشش کے ساحرہ آفاق کے ساتھ پہلے کی سی بے تکلفی کو برقرار نہ رکھ سکی جسے آفاق نے بہت جلد محسوس کر لیا۔ اس کے بعد نوکروں کی بدگمانیاں بھی اس سے پوشیدہ نہ رہ سکیں اور اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ منظور اور ساحرہ کے بارے میں اسکے پاس گمنام خطوط آنے لگے اس طرح کئی دن گزر رے۔

ایک دفعہ وہ حسب معمول دورہ جانے لگا تو ایک خط ساحرہ کے نام چھوڑ گیا اور ایک اپنے والدین کے نام لکھا اور ان دونوں میں یہی تحریر تھا جو سبب کہ منظور نے ساحرہ کو بتایا تھا۔ اس کے بعد اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ دنیا والوں سے بہت دور جا رہا ہے اور پھر کبھی واپس آنے کی کوشش نہ کریگا۔

ان دو خطوں کا حال اس کے والدین اور ساحرہ کے ذریعے سب لوگوں کو معلوم ہو گیا۔ اس وقت اسکی بدنصیبی اور اس کے چلے جانے پر سب کو رنج ہوا۔ خصوصاً اس کے والدین اور منظور کو اس کا بہت دکھ ہوا۔ انکشاف راز کے بعد منظور اور ساحرہ سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے مگر منظور ہمہ تن آفاق کی آمد کا منتظر تھا۔

جاتے ہوئے آفاق نے کچھ پیسہ ساتھ رکھ لیا۔ اور اس نے اپنے مستقر سے ایک لمبے چوڑے سفر کے لئے ٹکٹ کٹایا۔ اسے اپنی بدنصیبی کا بہت دکھ تھا اور اپنی ناکامیاب زندگی کا روحانی صدمہ اسی درد و غم میں وہ ہندوستان کے ممالک کی سیر کرتا رہا۔ ایک مرتبہ اسے پہاری علاقوں میں جانا پڑا اور جنگلی قوموں سے واسطہ پڑا۔ جنگلی لوگ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان لوگوں نے اس کی بہت آؤ بھگت کی اور کچھ دنوں میں وہ لوگ اس سے اس طرح مل گئے جیسے کہ یہ انکا رشتہ دار ہے۔ ایک مرتبہ ایک بوڑھے جنگلی نے اس سے دریافت کیا۔

"تم آخر اپنے دیس سے اپنے لوگوں کو چھوڑ کر کیوں چلے آگئے؟

"مجھے اپنے دیس یا وہاں کے لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ آفاق نے جواب دیا۔

"تمہارے ماں باپ ہیں؟

"ہاں

"بھائی بہن؟

"میرے سوا میرے والدین کی کوئی دوسری اولاد نہیں ہے

"یہ تم نے بہت برا کیا۔ تمہارے مانباپ بہت دکھی ہونگے۔

"کیوں نہیں

"تو پھر تم اپنے مانباپ کے پاس واپس چلے جاؤ!

"نہیں اب میں وہاں کبھی بھی جانا نہیں چاہتا۔

"کیوں؟

"یونہی

"تمہاری شادی ہو چکی؟

"نہیں

"اتنی عمر ہونے کو آئی شادی کیوں نہیں کی تم نے؟

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ آفاق نے ایک آہ سرد بھری

"کچھ کہو بھی تو؟

"ڈاکٹروں نے مجھے شادی کے لئے منع کر دیا تھا۔

"ہونہہ!

لیکن کیا کبھی تمہارے دل میں شادی کا خیال پیدا ہوا؟

"نہیں

"کیوں؟ بوڑھے نے تعجب سے پوچھا۔

"اس لئے کہ بچپن میں میرے چند ساتھی ایسے تھے کہ انھوں نے مجھے بچپن میں بری عادتوں میں پھنسا دیا تھا۔

"وہ کیسے؟ کیا تمہارے والدین تم پر نگرانی نہیں رکھتے تھے۔

''اب میں کیا بیان کروں بابا؟ چونکہ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اس لئے ان لوگوں نے مجھے پوری چھوٹ دے رکھی تھی بچپنا تھا ہوش کم اور جوش زیادہ تھا اسی عالم میں۔

آفاق نے شرم سے سر جھکالیا۔

''تم پوری پوری کیفیت مجھ سے بیان کرو بیٹا۔ میں تمہیں بہترین دوائیں دیکر پھر انسان بنا دونگا بوڑھے نے آفاق کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ہوا یہ کہ تیرہ چودہ سال کی عمر سے میرے چند بد معاش ساتھیوں نے حالانکہ وہ بہت ہی اونچے خاندان کے لڑکے تھے مجھے عورتوں کے قریب لے جاتے تھے۔ اس لئے میں قبل از وقت ایسا ہو گیا کہ ڈاکٹروں نے مجھے شادی کے لئے قطعی منع کر دیا۔ اس لئے میں نے بھی شادی کر کے کسی معصوم لڑکی کی زندگی کو برباد کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''تم اچھے ہو جاؤ گے میرے بچے۔ بوڑھے نے انتہائی محبت کے ساتھ آفاق کو سینے سے لگالیا

دوسرے دن سے آفاق کو جڑی بوٹیوں سے بنائی ہوئی دوائیں پینی پڑیں۔ کھانے پینے میں سخت پرہیز کرنا پڑا اور مسلسل علاج کے بعد بوڑھے نے دوا اور پرہیز دونوں ختم کر کے گھر جانے کی تاکید کی۔ لیکن اس نے گھر جانا قبول نہیں کیا۔



بوڑھے راملو کو آفاق سے غیر معمولی ہمدردی ہو گئی تھی۔ اس نے اس کی ملازمت و جائیداد کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آفاق ایک دولتمند ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہونیکے علاوہ بیرسٹری بھی کرتا تھا۔ اس خبر سے راملو کو بہت خوشی ہوئی وہ اسے لیکر قریب کے ایک بہت بڑے گاؤں میں گیا اس کے لئے ایک بہترین مکان کا انتخاب کیا اور اس کے بعد آفاق کو اس مکان میں رھکر بیرسٹری کرنے کے لئے مجبور کیا۔ اور آفاق راملو کی اس بات کو نہ ٹال سکا اور دوسرے دن سے اپنے اس نئے بنگلے میں بیرسٹری شروع کر دی۔

بہت جلد آفاق کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور بہت سارے لوگ دور دور

سے اپنے مقدمے اس کے پاس لانے لگے۔ اس نے دفتری کام کے لئے ایک منشی بھی ملازم رکھ لیا۔

جب بوڑھے راملو نے دیکھ لیا کہ ضروریات زندگی کی تمام چیزیں اس کے پاس جمع ہوگئی ہیں تو اس نے اسے شادی کیلئے مجبور کرنا شروع کیا۔ آفاق بھی اسکے لئے راضی ہوگیا۔ اس کے بعد راملو قریب کے ایک جاگیردار کے گھر شادی کا پیام لے گیا۔ لڑکی نے کوئی بڑے امتحانات نہیں دیئے تھے۔ مگر اپنی مادری زبان کے علاوہ انگریزی تلنگی اور ہندی سے کافی واقفیت رکھتی تھی اور امور خانہ داری میں بھی اچھی طرح سے ماہر تھی۔ لڑکی کے والدین آفاق کی قابلیت اور عہدے کو دیکھ کر اپنی لڑکی اس کے عقد میں دینے کے لئے دل سے راضی ہوگئے۔

اس بات کی راملو کو بھی بہت خوشی ہوئی۔ ایک یوم سعید دیکھ کر رسم منگنی ادا کی گئی اور اس کے بعد فوراً شادی کی تاریخ بھی مقرر کردی۔

شادی کی رسمیں ہوئیں۔ نکاح ہوا۔ لیکن دور سے آئے ہوئے مہمانوں میں سے عورتوں میں کسی نے آفاق کو پہچان لیا اور لڑکی کے والدین سے اس کی پہلی شادی اور شادی سے بیزاری اور شادی کے لئے ڈاکٹروں کی مخالفت۔ یہ سب باتیں بیان کیں۔

اس خبر بد کو سن کر لڑکی کے والدین نے اپنا سر پیٹ لیا۔ بوڑھے راملو کو خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ اس کے جواب میں راملو نے آفاق کے علاج اور اس کی صحت کے بارے میں بہت کچھ سمجھایا۔ مگر لڑکی کے والدین اسے رخصت کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ ان کے علاوہ سارے رشتہ دار اور سارے مہمان بھی لڑکی کو رخصت کرنیکے سخت خلاف تھے۔ اس کے بعد لڑکی کے والدین نے برات واپس کردی۔ جسکا آفاق کو انتہائی صدمہ ہوا اسکی زندگی میں یہ دوسری ذلت تھی۔ اس صدمے سے اسکا دماغ پاگلوں جیسا ہوگیا اور جب وہ تن تنہا گھر واپس ہوا تو اسے شدت کا بخار تھا۔ راملو اور اسکے نوکروں نے اس کی تیمارداری شروع کردی۔ اور گاؤں کا ڈاکٹر علاج کے لئے بلایا گیا۔ اس نے بتایا کسی

انتہائی صدمے کی وجہہ سے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے۔

راملو نے والدین کے بلانے کے لئے کہا تو آفاق نے اس لئے منظور نہیں کیا کہ اس کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے ضعیف والدین کے چوٹ کھائے ہوئے دل اور زخمی ہو جائینگے اور وہ اس کی بربادی کو برداشت نہ کر سکینگے۔

چار پانچ دن بعد بخار کم ہو گیا۔ آفاق اپنی قیام گاہ پر واپس چلا گیا لیکن اس ناکامیابی کے بعد اسے دنیا میں منہ دکھانے کے لئے جگہ نہیں رہی تھی لوگوں نے اس پر انگشت نمائی کرنی شروع کر دی تھی۔ اسے اپنی بربادی کا انتہائی صدمہ تھا وہ اکثر اپنے بچپن کی نادانیوں اور برُے دوستوں کی صحبت اور والدین کے لارڈ و پیار کے بے جا استعمال پر وہ دل ہی دل میں اپنے آپکو برا کہتا رہا۔ اور آج اُسے اپنی بربادی کا انتہائی دکھ تھا۔ مگر وہ اپنی آیندہ زندگی کے بارے میں سوچنے لگا۔

اس کا نکاح ہو چکا تھا اور موقرہ اسکی بیوی بن چکی تھی اس رشتے سے اس نے اپنی منکوحہ موقرہ کے نام کئی خط لکھے جسکا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اس کی بے چینی اور بھی بڑھ گئی اور وہ پوشیدہ طور پر موقرہ سے ملنے کے بارے میں سوچنے لگا۔

ایک دن سر شام راملو کو لیکر وہ موقرہ کے گاؤں میں پہونچا اور بھیس بدل کر مسافر خانے میں وہ دونوں مقیم ہوئے گاؤں میں مسافر خانہ ایک ہی تھا اس مسافر خانے میں دوسرے لوگ بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور وہ موقرہ کے بارے ہی میں یعنے گاؤں کے جاگیردار کی لڑکی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ بہت جلد اسکا باپ اس کا عقد ثانی کرنے والا ہے اس خبر کو سنکر آفاق کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ مگر وہ صبر سے کام لیکر سنتا رہا۔

رات بڑی مشکل سے مسافر خانے میں گزاری۔ ہم دونوں بھیس بدل کر باہر نکلے۔ اور سیدھے پہونچے موقرہ کے بنگلے پر۔ ادھر ادھر کے لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے والدین کسی ضروری کام سے کہیں گئے ہوئے ہیں اور موقرہ اپنے بھائی

بہنوں کے ساتھ گھر میں موجود ہے۔اس موقعہ کو قدرتی سمجھکر آفاق' راملو کو لیکر مسافر خانہ لوٹا اور اپنے اصلی لباس شیروانی اور پاجامے میں موقرہ کی ڈیوڑھی پر پہونچا۔اور بلا اطلاع بنگلے میں داخل ہو گیا۔نوکر' چاکر' لونڈی' ملازم سب پریشان ہو گئے۔انھوں نے اسے روکنا چاہا۔ مگر وہ آگے بڑھتا ہی چلا گیا۔پھر وہ ایکدم رک گیا۔ وہ ایک ملازم سے مخاطب ہوا۔

"موقرہ خاتون گھر میں ہیں۔؟

"گھر کے ملازمین اسے پہچان گئے۔ملازم نے جواب دیا۔ہاں گھر میں ہیں۔

"ان سے کہو کہ آفاق احمد ان سے ملنا چاہتے ہیں۔

"آپ یہاں ٹھہریئے۔!ملازم چلا گیا۔ مگر بہت سے لوگ اسے دیکھنے کے لئے جمع ہونے لگے۔ملازم نے واپس آکر کہا۔

"وہ آپ سے ملنے سے انکار کرتی ہیں؟

"اچھا! آفاق بولا۔تم مجھے ان کی قیامگاہ تک لے چلو!

"میں مجبور ہوں۔میں ایسا نہیں کر سکتا۔ملازم بولا اور اس کے جواب میں آفاق تیزی کے ساتھ کمروں میں داخل ہو کر اندر کے ہال میں پہونچا۔وہاں بہت سی عورتیں اور لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ آفاق کو دیکھ کر سب بھاگیں۔اور آفاق بھی حیران ہو کر کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اب تک اپنی دلھن کو نہیں دیکھا تھا۔اتنے بڑے ہال میں وہ بالکل تنہا تھا لیکن کمروں میں سے بیسوں آنکھیں اسے جھانک رہی تھیں۔وہ اسی طرح ساکت کھڑا رہا۔

"لوگوں کا کہنا تو غلط معلوم ہوتا ہے۔ایک بولی۔

میں بھی یہی سمجھتی ہوں۔دوسری بولی

"کتنے خوبصورت ہیں۔تیسری نے کہا۔

"اے موقرہ ذرا قریب تو آکر دیکھ۔چوتھی نے لڑکی کو مخاطب کیا۔اسی طرح باتیں ہوتی رہیں اور آفاق بالکل خاموش کھڑا رہا۔اندر سے موقرہ کی بھاوج نے کہلوا بھیجا۔

"آپ مہمان ہیں اس لئے ہم خاموش ہیں۔اور پھر آپ ہیں ۔اگر کوئی اور ہوتا تو مزہ چکھا دیتے ۔

"کوئی اور یہاں آتا کیوں؟ اور اسے اتنی جرات ہوتی کیسے ؟

آفاق نے کہا

"بھاوج سنجیدہ نے چلمن کے قریب آکر کہا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں آخر؟

"کیا آپ سمجھ نہیں سکتیں؟ آفاق نے سر جھکالیا۔

"اچھی بات ہے آپ باہر آرام کریں۔میں کچھ دیر بعد آپ سے باتیں کروں گی۔ابھی تو آپ تھکے ماندے ہیں۔

آفاق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ملازم کے ساتھ باہر آیا۔ملازم نے اسے ایک کمر. تایا جو بہت ہی آراستہ و پیراستہ تھا۔آفاق ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔راملو اس کے پیروں ۔کے قریب بیٹھکر کہنے لگا۔

"بھگوان آپکو کامیاب کرے سرکار! آفاق نے آہستہ سے آمین کہی ملازم آفاق کے لئے ناشتہ لے آیا۔اور راملو کو دوسرے نوکر کے ہمراہ ناشتہ کرنے کے لئے دوسرے کمرے میں بھجوادیا۔

آفاق کو بھوک تو نہیں تھی۔مگر انکار کو نامناسب سمجھکر ناشتہ کرلیا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سنجیدہ نے کہلا بھیجا کہ موقرہ کے والدین کے آنے تک وہ یہاں قیام کرے۔وہ لوگ آنیکے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے گا اس بات کو سن کر آفاق اداس ہوگیا۔

آفاق کو غمگین دیکھکر ملازم بولا۔

"خدا پر بھروسہ رکھئیے صاحب سب ٹھیک ہو جائے گا۔

"کیا تم میرا ایک کام کروگے ۔؟

"اگر ہو سکا تو ضرور کرونگا۔

"لیکن دیوڑھی میں کسی کو معلوم نہ ہونے پائے۔

"فرمائیے۔!

"تم میرا ایک خط موقرہ کو پہونچا دو!

ملازم سوچنے لگا۔

"اتنا انعام دونگا کہ خوش ہو جاوگے۔اس نے سو روپئے کا ایک نوٹ ملازم کے ہاتھ میں رکھ دیا۔اس نے موقرہ کے نام کی چھٹی لے لی۔ موقرہ اپنے کمرے میں تنہا پڑی ہوئی تھی۔

ملازم نے اسے چھٹی دی۔

ڈارلنگ موقرہ!

میں غیر نہیں تمہارا شوہر ہوں۔ تمہارے والدین نے سنی سنائی باتوں پر بھروسہ کر کے مجھے جو ذلت دی ہے میں اسے کبھی نہیں بھولونگا۔ لیکن اب میری زندگی کو سنوارنا تمہارے ہاتھوں میں ہے۔خدا کے لئے آج رات کو سب کے سو جانے کے بعد تم میرے پاس آو! میں تمہارے لئے بہت بے قرار ہوں۔فقط

تمہارا شوہر۔۔ آفاق

موقرہ خط پڑھکر سوچتی رہی پھر خط کو میز کی درار میں بند کر دیا۔اور بستر پر لیٹ کر سوچنے لگی رات کے کھانے کے بعد سب اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو کر خراٹے لینے لگے۔موقرہ نے بہترین لباس زیب تن کیا۔خوب بناو سنگار کیا اور عطر و پھول کی مہکوں کے ساتھ وہ آفاق کے کمرے میں داخل ہوی۔

آفاق ابھی تک موقرہ کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ آہٹ پر اٹھ بیٹھا اور اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ اندر سے بند کر لیا۔وہ جھجکی۔رکی۔شرمائی۔دولھا نے اپنی دلھن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم ہی موقرہ ہو؟

"موقرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بیٹھو! آفاق نے اسے اپنے پہلو میں صوفے پر بٹھالیا۔

"آج پہلی مرتبہ میں تمکو دیکھ رہا ہوں۔

"اور۔۔ میں بھی موقرہ کا سر نگوں تھا۔

کچھ دیر تک اپنی دلھن کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد آفاق نے پوچھا

"اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

"موقرہ نظریں اٹھا کر آفاق کی نظروں میں دیکھا۔ پھر سر جھکالیا۔

"کوئی جواب نہیں۔ وہ مسکرانے لگا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ اپنے والدین سے مجبور ہوں وہ بھی مسکرا پڑی

"والدین؟ والدین کے کوئی حقوق اب تم پر باقی نہیں۔ تم کو تو اب اپنے شوہر کے حسب مرضی کام کرنا چاہئیے۔

"تو آپ ہی بتائیے میں کیا کروں؟ وہ سر جھکا کر مسکرانے لگی۔

"میرے ساتھ چلو!

"اماں اور ابا سے کہے بنا؟

"ہاں بالکل

"لیکن دنیا والے کیا کہیں گے۔

"دنیا والے یہی کہیں گے کہ موقرہ اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی۔

موقرہ سوچنے لگی۔ آفاق بولا۔

"اگر تم کہو تو میں ابھی تم کو اپنے ساتھ لے جاوں

"دو چار دن میں امی اور ابا یہاں آنے والے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اس معاملے میں ان سے کچھ کہوں۔ ان سے کہے بنا تو میں یہاں سے نہیں جاسکتی۔

"تمہارے والدین میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

موقرہ نے شوہر کی نظروں میں دیکھکر سر جھکالیا۔

''پس و پیش مت کرو صاف صاف کہو!

''انکا خیال ہے کہ آپ کسی مرض میں مبتلا ہیں۔اس لئے وہ مجھے آپ کے پاس بھیجنا نہیں چاہتے۔

''یعنی؟ آفاق آہستہ سے ہنسا

''آپ تو سب کچھ میری زبان سے کہلوانا چاہتے ہیں۔

''تو پھر کس کی زبان سے کہلواوں؟ بتاو تمہارے والدین نے میرے لئے کونسا مرض تجویز کیا ہے؟

''میں نہیں جانتی۔ موقرہ بالکل شرما گئی۔

''اچھا یہ بتاو میں تم کو پسند ہوں؟ آفاق نے موقرہ کے شانے پر ہاتھ رکھدیا۔

''کیوں نہیں۔وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھکر مسکرانے لگی۔

''اور میں؟ موقرہ نے شوہر کی طرف دیکھا

''تم مجھے دل سے پسند ہو۔اسی لئے تو تمہارے پاس آیا ہوں۔اس نے کچھ توقف کے بعد کہا

''تمہارے والدین نے بھی کہا ہوگا کہ ڈاکٹر میری شادی کے خلاف تھا۔

''ہاں

باہر سے کسی نے کنڈی کھٹکھٹائی۔

''کون؟ آفاق نے پوچھا

''میں راملو! ذرا باہر آیئے۔ایک ضروری بات ہے

آفاق باہر گیا۔ راملو نے ہنس ہنس کر اس سے سرگوشی میں باتیں کیں اسکی باتوں پر آفاق مسکرایا بھی ہنسا بھی۔ راملو سونے کے لئے نوکروں کے کمرے میں چلا گیا۔ آفاق نے کمرے میں آکر دروازہ بند کرلیا۔ موقرہ اسی طرح صوفے پر بیٹھی رہی۔

"کیا تم کو والدین کے گھر میں رہنا اچھا لگتا ہے؟

"اب تک تو اچھا لگتا تھا۔ مگر اب اچھا نہیں لگے گا۔ وہ مسکراتی رہی۔

"کیوں؟ آفاق ہنسنے لگا۔

"اب تو۔۔۔ وہ شرما گئی۔

"تم مجھے چھوڑ کر نہیں رہ سکتیں؟

"ہونھ!

"تو پھر چلو ابھی میرے ساتھ!

"نہیں۔ میرے والدین کو آجانے دیجئے!

"میں نے سنا ہے کہ تمہارے ماںباپ تمہارا دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

"ان کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے میں تو نہیں چاہتی۔

"تو کیا یہ حقیقت ہے؟

"ہاں۔ وہ کسی کی تلاش میں گئے ہیں۔

"یعنے تمہارے لئے دوسرا شوہر دیکھنے کے لئے؟ آفاق کو غصہ آگیا۔

"ہاں

"ایسا ہے تو میں تم کو لئے بنا یہاں سے نہیں جاونگا۔

"یہ میری اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ کبھی بھی میرا دوسرا نکاح نہیں کر سکتے۔ یہ ناممکن ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ موقرہ استقلال کے ساتھ بولی۔

"لیکن پھر بھی تم ایک لڑکی ہو اور اپنے والدین کے سامنے مجبور۔

"دنیا کی کوئی طاقت بھی عورت کو کسی کام کے لئے اس کی مرضی کے بنا مجبور نہیں کر سکتی موقرہ نے جواب دیا۔

"اچھا یہ سنگار تم نے اپنی مرضی سے کیا ہے یا بھابی نے تمہیں سنوارا ہے؟

"میں نے تو سب کے سو جانے کے بعد اپنا لباس تبدیل کیا تھا۔

"کس کے لئے ؟ آفاق نے موقرہ کو اپنے قریب کھینچ لیا۔

"آپ کے لئے۔ موقرہ نے آہستہ سے شرما کر کہی۔

آفاق نے موقرہ کو اور بھی قریب کھینچ لیا۔

صبح جب موقرہ بیدار ہوی تو پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں آرہی تھیں اذانوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ دبے پاوں اپنے کمرے میں جاکر بستر پر دراز ہو گئی اور خلاف معمول بڑی دیر تک سوتی رہی۔

صبح بھاوج نے دیر سے بیدار ہونے کا سبب دریافت کیا۔

"رات کو انکے درشن کے لئے تو نہیں گئی تھیں؟

"نہیں

"سچ کہہ رہی ہو؟

"بالکل۔ موقرنے جوابدیا۔

دوپہر کے کھانے کے وقت تک موقرہ کے والدین واپس آگئے انہوں نے آفاق کو اپنے گھر میں دیکھکر ناراضی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد اپنے لڑکوں 'لڑکیوں اور بہووں سے جاگیردار صاحب نے بیٹی کو سسرال بھیجنے کے بارے میں رائے لی۔ ان میں سے آدھے راضی تھے اور آدھے ناراض۔ اور خود جاگیردار صاحب کو موقرہ کو سسرال بھیجنا پسند نہ تھا۔ انہوں نے موقرہ سے کہا۔

"تم اگر بربادی چاہتی ہو تو سسرال جا سکتی ہو۔

"جو میری قسمت میں لکھا ہے وہی ہو گا۔

"تو تمہارا مطلب کیا ہے؟ باپ نے سختی کے ساتھ سوال کیا۔

"میں کیا کہوں آپ مجھ سے بہتر میری آئیندہ زندگی کے لئے سوچ سکتے ہیں۔ موقرہ نے جواب دیا۔

"میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کہیں دوسری جگہ تمہارا نکاح کردوں۔

"ابا جان! موقرہ چلائی۔ شاید میری زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہوگا۔

"لیکن میں تم کو کسی حال میں بھی بھیجنا نہیں چاہتا۔

"کیوں آخر؟

"میں اس کے متعلق اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور تم کو سسرال بھیجنا نہیں چاہتا۔ اس میں تمہاری زندگی بھر کی بربادی ہے۔ اس لئے مجھے منظور نہیں۔

موقرہ جواب دیئے بغیر وہاں سے چلی گئی۔ اس کے باپ نے آفاق کو ناکامیاب لوٹا دیا۔ اور وہ انتہائی رنج و غم میں ڈوبا ہوا گھر لوٹ گیا۔

موقرہ کو جب آفاق کے جانے کی خبر ملی تو وہ اپنے باپ پر سخت ناراض ہوئی اور اسی وقت شوہر کے گھر جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

اس کی ماں نے اس کے پاس جا کر پوچھا۔

"یہ کہاں جانے کی تیاری ہے؟

"اپنے گھر۔ موقرہ نے جواب دیا۔

"کیا یہ تمہارا گھر نہیں ہے؟

"نہیں

"تو تمہارا گھر کہاں ہے؟

"میرے شوہر کا گھر میرا گھر ہے۔ موقرہ کا منھ بالکل پھولا ہوا تھا۔ وہ باپ کی طرح اپنی ماں سے بھی ناراض تھی

"کبھی دیکھا ہے شوہر کو؟ اس کی بڑی بہن نے سوال کیا۔

"ہاں موقرہ نے جواب دیا۔

"کب بہن نے پوچھا

"ایک رات خواب میں۔ موقرہ بولی

"ہونہہ! اب اس کا خیال چھوڑ دو۔ زندگی تباہ ہو جائیگی۔ ڈاکٹروں نے اسے شادی کے لئے

منع کر دیا ہے۔ بہن نے کہا۔

"منع کرنے کے باوجود شادی تو ہو گئی نا۔ اب کیا ہو سکتا ہے موقرہ بولی۔

"یہ ہماری غلطی تھی۔ ماں بولیں۔ اور اس غلطی کے لئے ہم تمہاری زندگی برباد کرنا نہیں چاہتے۔

"مگر میں اپنے شوہر کے پاس ضرور جاوں گی۔ اب مجھے یہاں رہنا پسند نہیں۔ موقرہ نے ماں بہن کو جواب دیا۔

"پگلی کہیں کی۔ تم کو تو ساری زندگی بلکہ ساری جوانی بتانا ہے وہ اس شوہر کے گھر میں کیسے گزارو گی۔ بہن نے سوال کیا۔

"جیسی بھی گزرے۔ گزاروں گی۔ موقرہ نے جواب میں کہا۔

"مگر شوہر کے پاس جاوگی ضرور؟ بہن نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ ضرور اور بہ ضرور موقرہ بولی۔

"ماں نے کہا اچھی بات ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہم تم کو رخصت کر دینگے۔ اس طرح بغیر ریت ورسم کے کس طرح وداع کر سکتے ہیں۔

موقرہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جاکر اپنے بستر پر لیٹ کر آفاق کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس کے والدین اور بھائی بہنوں اور بھاوجوں نے اسے بتایا کہ وہ اس رقم کا انتظار کر رہے ہیں جو بہت جلد انکو ملنے والی ہے۔ اس رقم کے ملتے ہی وہ اسے سسرال وداع کر دینگے۔

اس درمیان میں آفاق اور موقرہ میں آپس میں خط و کتابت ہوتی رہی۔ اور اس خط و کتابت سے موقرہ بہت بے چین و پریشان تھی اور جلد از جلد شوہر کے پاس جانے کی کوشش کر رہی تھی اسی طرح دو مہینے بیتے۔

اچانک موقرہ کی کی طبیعت خراب ہو گئی اور ڈاکٹر و حکیم نے بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہے اس خبر کو سنتے ہی اس کے والدین اور متعلقین کے سر پر بم کے گولے پھٹ پڑے۔ اور سب لوگ اسے مارنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے کہ اس نے خاندان کے نام پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا۔

''یہ تم نے کیا کیا موقرہ۔ ماں نے پوچھا۔

''اس بات سے کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے میرے شوہر کے پاس بھیجد یجئے۔

وہ سب برداشت کر لینگے۔

''شرم نہیں آتی تجھے شوہر کا نام لیتے ہوئے۔ وہ تیرا گلا نہ گھونٹ دیگا؟ ماں نے سوال کیا۔

''نہیں'' موقرہ بولی۔

''خوش ہو جائے گا۔ تیری اس حرکت پر؟ بہن نے پوچھا

''ہاں! موقرہ بولی میں خود انکو خط لکھکر بلواتی ہوں۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ماں نے انتہائی غصہ کے ساتھ کہا۔

اس کے بعد موقرہ نے چھپ کر آفاق کو خط لکھا اور چوتھے روز وہ ڈیوڑھی میں موجود ہو گیا جب اس کے آنے کی خبر موقرہ کو معلوم ہوئی تو اس نے ایک کنیز کو بھیجکر اندر بلوایا۔ اس کی اس حرکت پر سارا گھر سر پیٹنے لگا۔ مگر اس نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ آفاق کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے وہ بولی

''یہاں کے لوگ تو میری جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ خدا کے لئے مجھے اپنے ساتھ لے چلیئے! میں آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کے آنسو برسنے لگے۔

اس وقت گھر کے سارے لوگ دروازوں کھڑکیوں سے کان لگائے کھڑے تھے ان دونوں کی باتیں سننے کے لئے۔ آفاق نے پوچھا۔

''دشمن ہونے کا سبب؟

''اس لئے کہ۔۔۔؟ موقرہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔

''اس لئے کہ۔ کہو! شرماو نہیں موقرہ!

''ہمارے گھر ایک زندہ کھلونا آنے والا ہے۔ موقرہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو گئی۔

''سچ؟ آفاق مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے دوڑ کر موقرہ کو سینے سے لگا لیا۔

''ہاں بالکل سچ۔ لیکن میرے گھر والے کچھ اور ہی سمجھ رہے ہیں۔

"یعنی؟

انکو بچے کے باپ کا نام چاہیئے۔ موقرہ رونے لگی۔

"رومت موقرہ! ان کو بتاؤنگا کہ اس بچے کا باپ میں ہوں۔ دروازے اور کھڑکیوں سے لگے ہوئے تمام لوگ بھی خوشی کے مارے بے اختیار ہوگئے۔ یہ خبر موقرہ کے باپ تک بھی گئی وہ بھی مارے خوشی کے پھولے نہیں سمائے۔

اس کے بعد سنجیدہ نے آفاق کے تین چار دن تک ڈیوڑھی میں قیام کرنے کا حال ساس سسر اور سارے گھر والوں کو بتایا۔

اور پھر موقرہ کے والدین نے پورے ساز و سامان اور دعوتوں کے ساتھ بیٹی کو داماد کے ساتھ روانہ کر دیا۔

ختم شد



(افسانہ)

نوجیون

(ان بد نصیب لڑکیوں کے نام جنکی زندگیاں سماج کے ظلم وستم سے مجروح ہو رہی ہیں)

وہ بہت چھوٹی سی تھی کہ اسکے والد کا انتقال ہو گیا ۔جب ذرا سمجھ دار ہونے لگی تو ماں کا سرگباش ہو گیا اور وہ اس وسیع وعریض سرزمین پر ماںباپ کی شفقت سے محروم ہو کر اپنے چچا کے ہاں رہنے لگی مگر چچی اسکے حق میں ڈائن سے کم ثابت نہیں ہوئی نو دس سال کی بچی پر اتنے مظالم ڈھائے کہ وہ اس گھر سے بیزار ہو گئی اس وقت پڑوس کی ایک عورت اسے سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ ایک دوسرے مقام کو لے گئی۔ وہاں اس پر اور بھی ستم ہونے لگے جو عورت اسے اپنے ساتھ لے گئی تھی اس نے اسے باندی بنا کر رکھا اسے سب کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کی اجازت نہ تھی اور نہ کسی کے دل میں اسکے لئے ذرہ برابر بھی درد تھا۔ وہ ایک ایک کا منھ دیکھتی کہ شائد کوئی اسے شفقت کے ساتھ قریب بلائیگا اسکے جلے ہوئے معصوم دل کو تسلی دلاسا دے گا اس کے آنسو پونچھیگا۔ مگر شالینی کی یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہوئی مایوسی نے ہمیشہ اسے آنسو بہانے پر مجبور کیا وہ گھنٹوں اپنے ماں باپ اور خصوصاً ماں کو یاد کر کے رویا کرتی تھی۔

مایوسی نے اسے بغاوت پر آمادہ کرنا شروع کیا وہ سوچنے لگی۔ چھوٹی چھوٹی سوچیں میں بھی کیا کسی سے کم ہوں۔ میں بھی ایک اچھے ماںباپ کی بیٹی ہوں۔ پھر یہ سب مجھے اتنی حقارت اور ذلت کی نظروں سے کیوں دیکھتے ہیں۔ اسی لئے نا کہ میں گنگا موسی کے ہاں پڑی ہوئی ہوں۔ مگر آئیندہ سے میں ایسا ہونے نہ دونگی۔

ایک دن پڑھنے کے لئے اسکول چلی گئی جب گنگا بائی کو اسکی اطلاع ملی تو وہیں اسکول میں اسکو سوصلواتیں سنائیں اور کان پکڑ کر گھر لے آتی۔ لو اور سنو! یہ اسکول میں پڑھیگی اور یہاں کام کون کریگا تیرا باپ کہ تیری ماں خبردار پھر اسکول کی طرف قدم بھی بڑھایا تو مجھ سے برا

کوئی نہیں وہ انتہائی غصہ سے بولی اور شالینی کی خوب مرمت بھی کی۔

اس سزاء کو پانے کے بعد شالینی کی بغاوت کی آگ اور تیز ہو گئی۔ وہ دوسرے دن پھر اسکول گئی۔ وہاں کی بڑی ماسٹرنی نے کہا کہ بغیر اس کی مالکن کی اجازت کے وہ اسے اسکول میں شریک کرنے سے مجبور ہے۔ شالینی سوچنے لگی۔۔ مالکن؟ کون ہے اس کی مالکن۔ گنگا کو تو وہ موسی سمجھتی ہے وہ تو ماں باپ اور چچی کے ظلم و ستم کے غم بھلانے کے لئے اسے اپنے ساتھ لائی تھی۔ نوکرانی سمجھ کر تو نہیں۔ وہ سوچنے لگی میں باندی اور گنگا موسی مالکن ہیں کیا؟ نہیں ایسا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہے تو میں اسکے گھر ہی میں نہیں رہونگی۔ اپنی غلامی کا اسے اتنا دکھ ہوا کہ اسی روز وہ گنگا موسی کا گھر اور گاوں چھوڑ کر کسی دوسرے گاوں کا راستہ ناپنے کے لئے روانہ ہوئی۔

دن کا سفر تو اچھی طرح سے کٹا۔ جب شام کا اندھیرا چھانے لگا۔ اور اسکے راستے میں جنگل و پہاڑ آنے لگے تو وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر چلا چلا کر روتی ہوئی بھاگنے لگی۔ بہت دور سے اسے ہلکی ہلکی سی روشنی نظر آئی اسکا رونا کم ہو گیا اور وہ سرپٹ روشنی کی طرف دوڑنے لگی اور آدھے گھنٹے کے بعد روشنی کے قریب پہنچ گئی۔ یہاں بہت سے چراغ جل رہے تھے یہ ایک چھوٹا سا موضع تھا۔ وہ جھونپڑوں کے قریب پہنچ کر ایک جھونپڑے کے صحن میں بیٹھ گئی۔ سامنے برآمدے میں بان کی کھٹیا پر لیٹے ہوئے ایک ادھیڑ عمر مرد نے اسکی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اے لڑکی تو کون ہے؟

میں۔ میں۔ میں۔ وہ اٹھکر کھڑی ہو گئی۔ پھر رونے لگی۔

اری روتی کیوں ہے کچھ تو کہہ! کہاں سے آرہی ہے میں تجھے بہت دیر سے اس طرف دوڑ کر آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

میں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ شالینی اسی طرح روتی ہوئی بولی۔

ماں باپ ہیں؟

مر گئے۔

اور کوئی سگے سودرے بھی نہیں؟

ایک چچا ہیں۔ مگر چچی کے ظلم سے انکا گھر چھوڑ کر گنگا موسی کے ساتھ گئی تھی پر وہ تو مجھے باندی کے برابر سمجھتے ہیں۔

چچی نے کیا کیا تھا؟

تمام دن کام کراتی تھیں۔ پیٹ بھر کر کھانا نہ دیتی تھیں پھر مارتی بھی بہت تھی۔ یہاں تک کہ اس نے میرے ہاتھوں پیروں پر چر کے دیئے ہیں۔ شالینی اسی طرح آنکھیں ملتی رہی

"ہو تھ! عمر رسیدہ مرد رنگا نے کہا۔ اری سنتی ہے سائی! ادھر تو آ اندر سے ایک عورت آئی اسکے منہ میں موٹا سا چٹا دبا ہوا تھا۔ وہ دو تین لمبے لمبے کش لے کر اور پیک تھوک کر پوچھنے لگی۔ کیا ہے؟

یہ ایک لڑکی ہے۔ رنگا بولا

تو میں کیا کروں۔ وہ پھر چٹے کے کش لینے لگی۔

رنگا نے اپنے کان میں گھڑے سے ہوئے چٹے کو نکالکر اپنی بیوی کے چٹے سے سلگاتے ہوئے کہا

" بے چاری لاوارث ہے۔ رکھ لینگے اپنے گھر میں اپنے جانور چرایا کریگی۔ وہ چٹا منھ میں رکھکر مسکرایا۔

" کوئی چور چکار تو نہ ہو گی؟ سائی نے شوہر سے پوچھا۔

" چور چکار ہے تو کیا کریگی۔ اپنے پاس ہے کیا جو چرا کر لے جائیگی اپنے جانور تو وہ لیجانے سے رہی رنگا نے کہا۔

" ارے کچھ نہ سہی۔ تھالی لوٹا کمبل ہی سہی سائی نے جواب دیا۔

" بس تو تو سب کو شک کی نظروں سے دیکھتی ہے۔ بالے اندر بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہے سائی نے چٹے کی راکھ جھاڑی۔ کھنکار کر گلا صاف کیا اور زمین پر تھوک کر پوچھا

" اے لڑکی کہاں سے آرہی ہے ؟

" بہت دور سے۔ شالینی انتہائی کرب کے لہجے میں بولی۔

" اندر آجا۔ مگر نہیں۔ وہاں پانی ہے پیر دھولے اس نے مٹی کے رنجن کی طرف اشارہ کیا۔ شالینی نے رنجن سے پانی لے کر منھ ہاتھ دھوئے پھر لہنگے سے اپنا چہرہ پونچھا وہ برآمدے پر آنے لگی تو سائی نے پوچھا۔

" ٹھہر جا! کیا ذات ہے تیری؟

شالینی وہیں ٹھک گئی۔ مجھے نہیں معلوم

رنگا بولا۔ مہاتما جی نے چماروں کے ہاتھ کا کھایا۔ ذات پات سب کو ختم کر دیا۔ اور تو ابھی تک ذات پات پوچھ رہی ہے۔

" مہاتما جی بڑے آدمی تھے۔ بڑے آدمیوں میں اور بڑے شہروں میں سب چل جاتا ہے۔ مگر یہ گاوں ہے جی۔ پھر وہ شالینی سے مخاطب ہوئی۔

" اچھا تو کیا تیرے چچا کے ہاں گوشت انڈے مرغیاں سب کھائی جاتی تھیں؟

" نہیں۔ شالینی بولی۔

" نہیں۔ سائی کو بہت حیرت ہوئی۔ تو کیا کھاتے تھے تم لوگ؟

" ترکاری، دودھ، دہی۔ اچار۔

" تیرا نام کیا ہے؟

" شالینی

" تیرے چچا پوجا کرتے تھے؟

" ہاں۔ شالینی نے جواب دیا۔

" کہاں۔

" انکے گھر میں بہت سی تصویریں تھیں انکے سامنے دیئے جلا کر پوجا کرتے تھے تصویروں کو روزانہ چچی پھولوں کے ہار چڑھایا کرتی تھیں۔

" کھانا کون پکاتا تھا۔ سائی نے سوال کیا۔؟

" شالینی نے جواب دیا۔ چچی ۔

" برتن کون مانجھتے تھے؟

" میں۔

" کھانا پکاتے وقت چچی کیسے کپڑے پہنتی تھی؟

" اشنان کر کے بھیگی دھوتی باندھ کر پکایا کرتی تھیں۔ شالینی معصومیت سے بولی سائی تیزی سے اتر کر صحن میں گئی۔ اس نے اپنا سر شالینی کے پیروں میں رکھ دیا۔ رنگا نے بھی اسکی

تقلید کی۔ ماتا! تم برہمن ہو۔ تمہارے درشن بھگوان کے درشن ہیں۔ ہم کیسے بھاگیہ وان ہیں کہ تم ہمارے گھر آئی ہو لکشمی دیوی۔ اندر آو! ہم سدا تمہاری سیوا کرینگے۔ مگر تم ہمارے ہاتھ کا چھوا کیسے کھاو گی رانی۔

رنگا اور سائی ہاتھوں ہاتھ شالینی کو اندر لے گئے۔ اس کو ان میاں بیوی کے سلوک سے انتہائی حیرت اور مسرت ہونے لگی۔ وہ بولی۔

"وہاں سب چچا اور چچی کو برہمن ہی کہتے تھے۔

" میاں بیوی دونوں نے پھر اسکے قدموں میں جھک گئے۔ اس رات انہوں نے اسے کھانے کے لئے دودھ اور گڑ سے بنی ہوئی جوار کی روٹی دی اور بان کی ایک کھٹیا پر اسکے لئے بستر لگا دیا۔ جب وہ سوگئی تو میاں بیوی دونوں مشورہ کرنے لگے کہ انہیں اس لڑکی کے بارے میں کیا کرنا چاہئیے۔

صبح اٹھتے ہی رنگا گاوں کے برہمن پجاری کے پاس جاکر شالینی کی داستان سنا آیا۔ اور جب وہ بیدار ہوکر منہ ہاتھ دھو چکی تو پجاری رنگا کے گھر آیا اس نے سر سے پیر تک شالینی کا جائزہ لیا۔ پھر اسے اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ پجاری کے گھر میں اسکی بوڑھی ماں اور اسکی لڑکی رہتی تھی جو کئی بچوں کی ماں تھی۔ اسکا داماد کہیں دور ملازمت کرتا تھا۔ شالینی اسکے نواسی' نواسوں کے ساتھ مل جل کر کھیلنے لگی۔ یہاں لوگ اسے باندی نہیں بلکہ برابر والی سمجھتے تھے اس لئے شالینی اس گھر میں خوش تھی۔ کبھی کبھی وہ رنگا اور سائی کے گھر بھی جاکر انکا شکریہ ادا کیا کرتی کہ انہوں نے اسکی کفالت کے لئے ایک بے مثل خاندان کا انتخاب کیا ہے۔



شالینی کو چودھواں سال شروع ہوا اور اسکا حسن جمال چودھویں کے چاند کو بھی مات کرنے لگا۔ پجاری کی ماں نے اسے بتایا کہ وہ بہت جلد اسکی بہو یعنے پجاری کی بیوی بننے والی ہے۔ اس خبر کو سنکر جیسے اس پر بم گر پڑا۔ اسکے چہرے پر نفرت کی سیاہی پھیل گئی۔

پجاری نے شادی کی تاریخ نکالی۔ جب شالینی کو معلوم ہوا تو باوجود جاہل ہونے اس نے اپنی فطری عقل و شعور کے تحت پجاری کی ماں سے کہا۔

" دادی! میں تو پجاری سے شادی نہیں کرونگی۔ وہ نفرت سے بولی۔

" کیوں؟ کیوں؟ بڑھیا نے تعجب سے پوچھا۔

" کوئی تُک بھی ہے۔ وہ تو میرے چچا سے کہیں بڑے میرے بڑے باپ کے برابر ہیں۔ مجھے تو یہ رشتہ پسند نہیں۔

" تیرے پاس دھن ہے نہ دولت ایسی کنگال سے کون کرے گا شادی؟ بڑھیا حقارت سے بولی۔ بیوی مر گئی ہے اس لئے میرا لڑکا تجھے پلے باندھ لینا چاہتا ہے۔

" جی ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ شالینی ضد سے بولی۔

" مگر ہو گا تو ایسا ہی۔ بڑھیا غصے سے بولی۔ شالینی بڑھیا کا منھ تکنے لگی دوسرے دن شالینی کا گاؤں میں کہیں پتہ نہ تھا۔ تالاب' باولیاں' کنویں جنگل' پہاڑ سب چھانے گئے مگر کہیں اسکا پتہ نہ تھا۔

بڑھیا سے گفتگو ہونے کے بعد شالینی پچھلی رات سے اٹھکر اپنی ایک سہیلی کے گھر گئی اور اس سے سارا واقعہ بیان کیا۔ اس نے دو دن تک اسے اپنے گھر میں چھپا کر رکھا اور تیسرے دن اسے لے کر اسکے چچا کے گھر گئی اور بہت منت سماجت کی کہ اسے کسی قسم کی سزا نہ دی جائے۔ مگر سہیلی کے جاتے ہی چچا اور چچی نے اتنا پیٹا کہ اس کے جسم سے خون نکلنے لگا۔ اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اس حرکت پر گاؤں والوں نے چچا کی خوب سرزنش کی اور اسے لیجا کر ہسپتال میں شریک کر دیا اس لئے کہ چچا' چچی اسے ایک لمحے کے لئے بھی گھر میں رکھنے کے لئے تیار نہ تھے۔ پندرہ' بیس روز تک وہ ہسپتال میں رہی۔ جب صحت ہوئی تو اسے دواخانے سے جانے کے لئے کہا گیا۔ وہ سوچنے لگی کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے۔ دواخانے میں اس نے محسوس کیا کہ ہر فرد اسکی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے ان کی یہ نظریں اسے سخت ناگوار گذریں۔ وہ ان کی نگاہوں سے محفوظ رہنے کی تدبیریں سوچنے لگی۔ وہ سیدھی لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی اور اس سے التجا کی کہ اسے کوئی نہ کوئی ملازمت دی جائے۔ کالی کلوٹی لیڈی ڈاکٹر نے ایک مرتبہ اسکا حسن جمال دیکھا اور پوچھا۔

" کیسی نوکری چاہتی ہو؟

" جیسی بھی آپ مناسب سمجھیں۔

" نرس کا کام کرو گی؟

" ضرور

لیڈی ڈاکٹر نے اسے ہسپتال میں نرس کی ٹریننگ لینے کے لئے کہا ۔ اسے ماہانہ وظیفہ ملنے لگا رہنا سہنا۔لیڈی ڈاکٹر کے گھر میں تھا۔

امتحان کے بعد اسے دواخانے میں نرس کی خدمت مل گئی۔ اسے مریضوں کی خدمت سے بہت مسرت ہوتی تھی۔

چندر کرن نیا نیا ڈاکٹر آیا تھا۔ خوبصورت اور نوجوان تھا ایک دن تنہائی میں اس نے شالینی کا ہاتھ پکڑ لیا۔اس اچانک حملے سے وہ بالکل بے خبر تھی۔ بے اختیار اس کے منھ سے ایک چیخ نکل گئی۔ قریب سے دو تین ڈاکٹر دوڑ کر آئے شالینی اور چندر کرن اور گوشہ تنہائی۔ آنے والے ڈاکٹر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور واپس چلے گئے چندر کرن بھی انکے ساتھ گیا۔ شالینی نے کچھ دور پر ان سب کے قہقہوں کی آوازیں سنیں۔وہ شرم وحیا کے سمندر میں ڈوب کر آنسوؤں کا مینہ برسانے لگی۔ اس رات لیڈی ڈاکٹر سے اس نے چندر کرن کی شکایت کی تو وہ مسکرا کر بولی۔

" پھر تو بڑی خوش نصیب ہو تم؟ چندر کرن تم سے پیار کرتے ہیں۔

" پیار میں تنہائی میں ہاتھ پکڑا جاتا ہے کیا؟ شالینی نے غم وغصے سے سوال کیا۔

" یہاں تو بس۔ایسا ہی ہوتا رہتا ہے۔

اس رات شالینی نے کھانا نہیں کھایا بھوکی سو رہی۔ صبح ڈیوٹی پر گئی تو اسے چندر کرن کی نظروں میں خونخواری نظر آئی۔اس دن بھی اس نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔شالینی زبردستی ہاتھ چھڑا کر بھاگی ڈاکٹر کے کمرے سے بھاگنے اور ڈاکٹر کو دروازے کے قریب جاکر اسے دیکھتے ہوئے بہت سے لوگوں نے دیکھا۔اس نے اس روز بڑے ڈاکٹر سے چندر کرن کی شکایت کی۔اس نے سر سے پیر تک اسے بھوکے بھیڑیے کی طرح دیکھنا شروع کیا۔ تمہاری خوبصورتی سب کو دیوانہ بنا رہی ہے۔ شالینی۔ کوئی کیا کرے۔

"کیا آپ چندر صاحب کو تنبیہ بھی نہیں کر سکتے کہ وہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔اس نے غم وغصے سے سوال کیا۔

" میرے کہنے سے مان لینگے وہ؟

" آپ یہاں کے بڑے ڈاکٹر ہیں اتنا بھی نہیں کر سکتے تو کس کام کے ہیں پھر آپ؟
غم و غصے سے اسکی سانس پھولنے لگی۔
" ایک معمولی نرس ہو کر ایسی بے باکی سے باتیں کر رہی ہو مجھ سے۔ نکل جاو یہاں سے اگر نوکری کرنا ہے تو تم کو سب کچھ برداشت کرنا پڑیگا۔ بڑا ڈاکٹر انتہائی غصہ کے ساتھ بولا۔
" رکھ لیجئے اپنی نوکری۔ مجھے نہیں چاہئیے۔ آپکی نوکری! شالینی درد و غم کی حالت میں اپنی قیامگاہ میں گئی۔ اس روز لیڈی ڈاکٹر نے بھی اس سے دلچسپی سے بات چیت نہیں کی اس روز بھی وہ بھوکی سو گئی۔
صبح رخصت لے لی۔ ہسپتال نہیں گئی۔ چچی کے نام چٹھی لکھ کر ایک لڑکے کے ہاتھ بھیجی۔
چچا نے کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا
پوجیہ چچی جی!

پالاگن

امید کہ آپ سب خیریت سے ہونگے۔ میرے لئے ایک زبردست مشکل یہ پڑی ہے کہ تنہا نہیں رہ سکتی اور نہ اس ہسپتال میں کام کر سکتی ہوں۔ یہاں کے لوگ بڑے بد نظر ہیں اگر آپ میری تنہائی دور ہونے کا بندوبست کر دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔ میں اپنے ہاتھوں سے تو یہ کام نہیں کر سکتی اور اپنے ہاتھوں سے کرنا اچھا بھی نہیں لگتا۔ اپنے ماں باپ کے بعد میں نے آپ دونوں ہی کو ماں باپ سمجھا ہے اور ماں سمجھ کر ہی آپ کو یہ چٹھی لکھ رہی ہوں بھگوان کے لئے میری پرارتھنا سویکار کیجئے۔ نہیں تو میری زندگی سیاہ ہو جائیگی۔

فقط

آپکی بیٹی۔ شالینی

چھٹی پڑھکر چچا چچی نے اسے دنیا بھر کی گالیاں دے ڈالیں اور لڑکے سے زبانی کہلوا بھیجا کہدو کہ ہم اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جو اسکے من میں آئے کرے اور ہمارے گھر میں قدم نہ رکھے۔
یہ جواب سن کر شالینی پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ پھر اپنی آئندہ زندگی کے بارے سوچتے سوچتے سو گئی۔

O

صبح نیند سی بیدار ہوئی تو اسے یہ دنیا خونخوار درندوں سے بھری ہوئی نظر آنے لگی جو اسے پھاڑ کھانے کے لئے منھ کھولے اس کی طرف دوڑے چلے آرہی ہے۔ ہمت کر کے اس نے بڑے ڈاکٹر کو اپنے تبادلے کی درخواست دی تو اس نے اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیئے شالینی اپنی رہائش گاہ پر چلی گئی اور بہت دیر تک سوچتی رہی۔

دوسرے دن وہ ڈیوٹی پر جانے لگی۔ اور جب چندر کرن نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تو اس نے کس کے اسکو تین چار تھپٹر رسید کئے اور ہرن کی طرح سے وہاں سے بھاگی۔ اس نے اسی وقت جاکر بڑے ڈاکٹر سے شالینی کی شکایت کی۔ مگر اس کو جواب میں سرزنش سنی پڑی اپنا سا منھ لے کر واپس چلا گیا۔

دواخانے کی دوسری نرسوں نے شالینی کی پاک دامنی دیکھی تو اس کی شادی کی فکر کرنے لگیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ جب تک شالینی کی کہیں شادی نہیں ہوگی اسے سکون ملنا مشکل ہے انھوں نے بہت سے برہمن خاندانوں میں لڑکے تلاش کئے مگر کوئی لڑکا بھی معقول رقم اور دکشن (جہیز) کے بغیر شالینی سے شادی کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ بڑی مشکل سے ایک جگہ نسبت ٹھیک ہوئی۔ لڑکا پولیس میں سب انسپکٹر تھا۔ اسکے والدین شالینی سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ مگر قسمت کی خوبی کہ جس رات شالینی نے سسرال میں قدم رکھا اسی صبح کو اسکے مریض خسر کا انتقال ہوگیا۔ سب نے دلہن کے قدموں کو نامبارک سمجھا اور سسرال والوں کی رائے ہوئی کہ اسے گھر سے نکال دیا جائے۔ مگر اسکے دولہا کشن راو نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ شالینی کے سسر کے انتقال کے چوتھے روز اس کی مہمان نند کا دو سالہ لڑکا دوروں کی شکایت سے چل بسا۔ اس وقت پھر سارے سسرال والوں نے اسے گھر سے باہر کرنا چاہا مگر پھر شوہر کی سفارش اسکے آڑے آئی۔ اسکے بعد کشن راو کا وہ بھائی جو اسے جان سے زیادہ پیارا تھا جسے وہ انتہائی محبت کے ساتھ اعلی تعلیم دلا رہا تھا۔ بخار سے صاحب فراش ہوگیا۔ اب تو کشن کے بھی ہوش اڑگئے۔ اسے سچ مچ دلہن بد قدم نظر آنے لگی۔ اس نے اپنی والدہ اور دوسرے بزرگوں کے حسب الحکم دو ہفتے کے اندر دلہن کو طلاق دیدیا کہ کہیں اس کی موجودگی اس کے نوجوان پیارے اور قابل بھائی کی موت

کا باعث نہ بن جائے حالانکہ شالینی کو طلاق دیتے وقت اسے انتہائی صدمہ ہو رہا تھا۔

طلاق کے بعد شالینی نے ملازمت ترک کر دی اپنا ذاتی مطب کھول لیا۔ چندر کرن ایک دفعہ اسکے مطب پر گیا تو اس نے انتہائی حقارت کے ساتھ مطب سے باہر کر دیا عورت کی پوشیدہ پاک دامنی باہر والوں کو کیا معلوم پڑوس والوں نے چندر کرن کو اس کے مطب سے نکلتے دیکھا تو مشہور کر دیا کہ کشن نے شالینی کو اس لئے طلاق دی کہ وہ در پردہ چندر کرن سے پیار کرتی تھی اب کیا تھا۔ ایک سے دو۔ دو سے تین۔ تین سے چار۔ پورے ضلع میں یہ خبر ہوا کی طرح اڑ گئی اور شالینی کے بارے میں ہر ایک کے خیالات خراب ہونے لگے۔ اور ضلع کا ہر شخص اس سے دوستی پیدا کرنے کو شاں نظر آنے لگا۔ رات دن اسکے مکان کے سامنے اوباشوں کا ہجوم۔ سیٹیاں۔ گانے۔ پھبتیاں کسے جانے لگے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتیں اس کے ہاں علاج کے لئے جانے سے احتراز کرنے لگیں۔ اب تو شالینی کے لئے زندگی گزارنے راستہ بھی بند ہو گیا وہ سوچنے لگی کہ اسے رنگا اور سائی کے پاس چلا جانا چاہیئے۔ مگر اب تو سینکڑوں انسان نما شکاری کتے اسکا پیچھا کرینگے اس وقت کی بات اور تھی کہ اس کی عمر نو دس سال کی تھی پھر اس نے چچا کے گھر جانے کا خیال کیا مگر یہ سوچ کر چپ ہو رہی کہ اسے ہرگز چچی گھر میں پناہ نہ دیگی اور اب تو ایک چچی ہی کیا دنیا کا کوئی فرد بھی اسے پناہ دینے کے لئے تیار نہ ہو گا۔ اس لئے کہ وہ مطلقہ ہے اور چندر کرن کے نام سے اسے وابستہ کر کے بدنام رکھا ہے۔

اس کے لئے سخت پریشانی کا باعث یہ ہو گیا تھا کہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے دو تین اوباش مرد اسکے گھر کے سامنے کھڑے بیٹھے گاتے ہوئے دل لگی اور فحش مذاق کرتے ہوئے نظر آتے اسکے لئے گھر سے باہر نکلنا دوبھر ہو گیا تھا ایک دن تنگ آ کر اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ چندر کرن کے پاس چلی جائے جو اسے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔
لیکن فوراً ہی اس نے زور زور سے توبہ کی کہ میں اپنا جسم تو کسی قیمت پر بھی ان خونخوار درندوں میں سے کسی کے حوالے نہ کرونگی۔ چاہے مجھ پر کیسی ہی مصیبت کیوں نہ آپڑے سوچنے کو تو سب کچھ سوچ لیا۔ سوچیں دماغ میں پڑی رہیں۔ لیکن اسکو قدم گھر سے نکالنا مشکل ہو گیا۔ ایک دن ہمت کر کے وہ باہر نکلی۔ قہقہوں، سیٹیوں، اور فحش گانوں سے گلی

گونجنے لگی۔ شالینی ہمت کر کے چچا کے گھر گئی۔ چچی گھر میں نہ تھی چچا چپ رہا۔ دو چار دن بعد جب چچی آئی تو اس نے اسے مارا پیٹا تو نہیں مگر اسے گھر سے باہر کر کے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اب وہ جائے تو کہاں جائے وہ سوچنے لگی۔ دن کے دو بج چکے تھے وہ تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی کنوئیں کی طرف دوڑی اور اپنے آپکو اسکے حوالے کرنا چاہا مگر یہ سوچ کر باز رہی کہ اس طرح سے نہ معلوم مرنے کے بعد اسکے جسم کی کتنی توہین ہو جسکی وہ جان سے بڑھکر حفاظت کر رہی ہے۔ اس وقت ایک تدبیر اسکے ذہن میں آئی اس نے گیاس کا تیل اپنے کپڑوں پر ڈال کر آگ لگانے کا ارادہ کر لیا۔ بلا سے جان گئی تو چلی جائے عزت کے لیئے جان کا بلیدان دنیا ایک ہندوستانی عورت کا فرض ہے اس خیال کے ساتھ وہ تیزی سے چلنے لگی کہ اسے یہ محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ ضلع کا کونسا راستہ طئے کر رہی ہے۔ اس کے بعد موٹر کی ایک ٹکر نے اسے زور کا دھکا دیا اور وہ زخمی و بے ہوش ہو کر دور جا گری۔ اس وقت اسے دیکھنے کے لئے گاوں کے سارے بوڑھے اور جوان مرد اسکے قریب جمع ہو گئے۔ اس وقت اس ہجوم کو چیرتا ہوا ایک سلونے رنگ کا نوجوان شالینی کے پاس گیا اور اسے اپنی رکی ہوئی کار میں ڈال لیا۔

کئی گھنٹوں کے بعد جب شالینی کے حواس درست ہوئے تو اس نے اپنے آپکو ایک صاف ستھرے کمرے میں شفاف بستر پر پڑا ہوا پایا۔ وہ پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی پہلو سے ایک سلونی رنگت کا نوجوان نمودار ہوا۔ اس نے اپنا چشمہ اتار دیا۔

" میں کہاں ہوں؟ شالینی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

" ابھی نہ اٹھیئے! آپکو آرام کی ضرورت ہے۔ آپ میرے گھر میں ہیں آپ کو میری ہی کار سے چوٹ لگی ہے۔

" میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ جاونگی۔

" مزاج ٹھیک ہونے کے بعد آپ شوق سے جا سکتی ہیں۔ میزبان بولا۔

" نہیں۔ نہیں۔ میں ابھی جاونگی۔ شالینی پوری ضد کے ساتھ بولی۔

" آپ کا مکان کہاں ہے؟

' بہت دور

" چلئیے میں آپکو پہنچادوں۔ مگر میری رائے تو یہ ہے کہ آپ کل جایئے!
" اور رات کو تمہارے گھر میں رہوں؟ شالینی نے انتہائی وحشتناک لہجے میں پوچھا۔
" اس میں کیا برائی ہے؟
" زبردست برائی ہے اس لئے کہ مرد عورت کا دشمن ہوتا ہے وہ غصے کے ساتھ بولی۔
" میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں۔ جو عورت کے دشمن ہوتے ہیں۔ میری ماں نے مجھے عورت کی عزت کرنے کی تعلیم دی ہے اس لئے میں ہر عورت کی عزت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔
" عورت کی عزت کا لفظ میں آپ ہی کی زبان سے سن رہی ہوں۔ اور دوسروں کو تو میں نے نوجوان عورتوں کا مذاق اڑاتے دیکھا ہے۔
" یہ انکا نہیں انکے ماوں کا قصور ہے انکی ماوں کی غلط تربیت کا قصور ہے مرد ہو یا عورت اُسکی بد چلنی کے ذمہ دار انکے والدین ہیں خود نہیں۔
" اور آپ عورت کی عزت کرتے ہیں۔
" بے شک! نوجوان نے اس لفظ پر زور دے کر کہا۔ آپ رات کو یہ کمرہ اندر سے بند کر کے سوئیے! اب۔ تو اطمینان ہو گیا آپکو؟ اس نے ایک خادمہ کو بلا کر شالینی کے ساتھ رہنے کے لئے کہا اور خود باہر چلا گیا
میزبان کے جانے کے بعد خادمہ نے شالینی سے پوچھا" دودھ پینگی آپ؟
" نہیں
" صاحب کا حکم ہے کہ آپکو دودھ اور پھل دیئے جائیں کھانا بھی تیار ہے۔ لیکن نہ جانے آپ یہاں کے نوکروں کا پکایا ہوا کھانا پسند کریں یا نہ کریں کسی نے صاحب سے کہا ہے کہ آپ برہمن ہیں۔
" تمہارے صاحب؟ شالینی نے پوچھا؟
" ہم سب شودر ہیں۔
" تمہارے صاحب بھی؟
" جی ہاں۔

" تم شودر ہو تو کیا ہوا ہم سے اونچے ہو۔ اور پھر تمہارے صاحب کی ماں نے تو اپنے لڑکے کو ایسے عمدہ اخلاق کی تعلیم دی ہے کہ جو لوگ اپنے کو اونچا سمجھتے ہیں وہ بھی اپنے بچوں کو ایسی تعلیم نہ دے سکے۔ میں ایک اونچے ذات کی ماں کے مقابلے میں ایک شودر ماں کے سامنے ہاتھ جوڑنا کہیں بہتر سمجھتی ہوں جس نے ایک سچے انسان کو جنم دیا۔ مجھے تمہارے ہاتھ کا کھانے میں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن گوشت سے پرہیز ضروری سمجھتی ہوں۔

" اس گھر میں بھی گوشت نہیں کھایا جاتا۔

" پھر تو چلو میرے لئے تم اپنے ہاتھ سے کھان پروسو!

پھر تو آپ صاحب کے ساتھ میز پر کھایئے۔ تب تک میں آپکے لئے دودھ اور پھل لاتی ہوں میزبان رات کے آٹھ بجے گھر آیا۔ جب وہ کھانے کے لئے بیٹھا تو اس کی خادمہ نے شالینی کا عندیہ اسکے سامنے بیان کیا۔ وہ خود جاکر شالینی کو کھانے کی میز پر لے آیا۔ شالینی نے زندگی میں پہلی مرتبہ ایک شودر کو افضل سمجھتے ہوئے اسکے ہمراہ کھانا کھایا رات کو خادمہ شالینی کے کمرے میں سوئی اور شائد شالینی بھی زندگی میں پہلی مرتبہ ماضی و مستقبل کو بھلاکر آرام کی نیند سوئی۔



صبح بیدار ہوکر شالینی نے جب گھر جانا چاہا تو میزبان نے کہا۔

" میں نے تو سنا ہے کہ دنیا میں آپکا کوئی نہیں؟

" آپ سے کس نے کہا؟

" جب سے آپ یہاں آئی ہیں۔ لوگوں کا تانتا بندھا ہوا ہے اور ہر ایک آپ کے بارے میں کوئی نہ کوئی کہانی بیان کرتا جارہا ہے۔ آخر میں میں اتنا تنگ آگیا کہ ان سے ملنے سے انکار کردیا۔

شالینی بے اختیار بول اٹھی " میں بھی ان سے تنگ آکر پرلوک جانا چاہتی تھی کہ آپ کی موٹر کی ٹکر نے مجھے کہیں سے کہیں اٹھاکر پھینکدیا۔ اس لئے اب میں جلد از جلد گھر جانا چاہتی ہوں تاکہ پرلوک جانے کی تیاری کرسکوں۔

" ایسا ارادہ تو آپ کو نہیں کرنا چاہئیے۔

" ارادہ تو کر ہی چکی ہوں۔

"کیوں؟

" اپنے جسم کی حفاظت کے لئے میں اپنا جسم ان شکاری کتوں سے نچوانا نہیں چاہتی وہ غم و غصے کے ساتھ بولی۔

" لیکن خودکشی تو بزدل کرتے ہیں۔

" عورت کومان کے لئے جان کا بلیدان دینا چاہیئے۔

ایک لمحہ توقف کر کے میزبان نے پوچھا۔

" میں تو سب سے بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ آپ دوسری شادی کرلیں۔اگر آپ منظور کریں تو میں آپ کے لئے کسی اچھے آدمی کی تلاش کروں۔ایک خوبصورت اور نوجوان عورت کے لئے تنہا زندگی بسر کرنا مناسب نہیں۔

کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد شالینی بولی۔

"اگر آپ میرے شوہر سے میر املاپ کرادیں تو میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہونگی۔

" میں کوشش کرونگا۔میری واپسی تک آپ یہیں رہیں۔

شالینی سے وعدہ کر کے میزبان کشن راو کے گھر گیا۔اس نے ہاتھوں ہاتھ اس کا استقبال کیا۔

" یہ میری سوبھاگیہ ہے کہ ضلع کے بڑے ڈاکٹر صاحب نے ایک غریب کے گھر آکر درشن دیئے۔فرمایئے کیا حکم ہے۔کشن راو نے پوچھا۔

"تمہارا چھوٹا بھائی تواب اچھا ہے نا؟

"جی بالکل اچھا ہے۔"کشن راو نے جواب دیا"ڈاکٹر نے پوچھا۔

" کالج جارہا ہے؟

" جی ہاں آپکی دیا ہے۔

" دیکھو کشن راو میں تم سے ایک خاص معاملے میں گفتگو کرنے کے لئے آیا ہوں۔

" فرمایئے! کشن ہمہ تن متوجہ ہوگیا ۔

" تم نے اپنی بیوی کو طلاق دی بہت برا کیا ڈاکٹر نے سرزنش کی۔

" اسکا تو مجھے بھی دکھ ہے۔پر کیا کرتا مجبور تھا۔اسکا قدم ہمارے گھر کے لئے راس نہیں آیا

اس نے سر جھکالیا۔

" یہ تو خیر بیوی تھی۔ یہاں تو ماں باپ برے دنوں میں پیدا ہونے والے بچے اپنے لئے منحوس سمجھ کر دوسروں کو دیدیتے ہیں۔ نکالو ان بے کار باتوں کو میں چاہتا ہوں کہ تم پھر اسے اپنے گھر لے آو۔

" گھبرا کر کشن راو بولا۔ " یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اسکے جانے کے مہینہ بھر بعد ہی ماں نے میری شادی کر دی۔

" تو کیا ہوا ایک آدمی کی دو بیویاں بھی ہوتی ہیں۔

" آپ اسکی سفارش کیوں کر رہے ہیں؟

ڈاکٹر شالینی کے اپنے گھر آنے کے واقعات بیان کئے۔ کشن نے سر جھکا کر کہا۔

" کسی اچھے آدمی سے اسکی شادی کرادیجئے تو کرپا ہوگی آپ کی۔ اس لئے کہ میں اچھا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے اپنے بزرگوں کے اندھے رواجوں کی پابندی کرتے ہوئے ایک نردوش کو طلاق دی۔ اور اب تو میرے بزرگ اسے کسی حال میں بھی اپنے گھر میں قدم نہ رکھنے دینگے۔

" اس لئے کہ ایک شودر نے اسے پناہ دی ہے۔ کیوں کشن راو! ڈاکٹر ذرا نفرت کے انداز میں بولا۔ کشن راو نے جواب نہیں دیا۔ اس کا سر اسی طرح جھکا رہا۔ ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے گھر جا کر یہ بات شالینی کو نہیں بتائی لیکن اسکے لئے لڑکے تلاش کرنے شروع کئے کوشش کی مگر کہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ دوران تلاش ایک مرتبہ ایک برہمن نے کہا۔ ایسی لڑکی سے کون شادی کریگا جسے شوہر نے طلاق دی ہو لوگ اسکے اور ڈاکٹر چندر کرن کے بارے میں باتیں بھی بناتے رہتے ہیں۔

" ڈاکٹر کو غصہ آگیا۔ " باتیں بنانے کی تو چھوڑ یئے۔ یہ آپکی دنیا والے ہمیشہ بے سہارا عورتوں پر باتیں ہی بناتے رہتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی عزت والی کیوں نہ ہو۔ رہی طلاق تو طلاق ہونے کے بعد اسکے شوہر کو لوگوں نے خوشی خوشی لڑکی کیوں دیدی جبکہ اس نے ایک عورت سے غداری کی۔

" مرد ہیں۔ بیاہ کر سکتے ہیں۔ برہمن نے جواب دیا۔

"تو عورت کو بھی مجبوری کی حالت میں دوسری شادی کرنے کا حق ہے دوسری شادی پاپ تھوڑے ہی ہے۔ بلکہ کسی عورت کا بغیر مرد کے سہارے زندگی بسر کرنا نہایت خطرناک بات ہے۔ اس سے عورت کی زندگی مستقل پاپ بن سکتی ہے اور بہت سی دوسری مصیبتوں کا بھی شکار ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس کے لئے دوسری شادی بہت ضروری ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ وہ بالکل بے سہارا ہو۔

" ہمارے پاس دوسرا بیاہ بہت پاپ سمجھا جاتا ہے۔ برہمن بولا۔

" ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنا پاپ نہیں ہے کیا؟ ڈاکٹر غصے سے پوچھا۔

" آپ غلط سمجھ رہے ہیں کسی کی اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلے۔

" میں نہیں مانتا۔ آپ لوگوں کے رواجوں نے ہزاروں عورتوں کی زندگیوں کو مسمار کر دیا

" عورت مسمار ہونے کے لئے ہی پیدا ہوئی ہے۔

" آپ جیسے مہاتما جب مسمار کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو کیوں نہ مسمار ہونگی غریب عورتیں مگر مہاشے! وہ زمانہ گیا جب کہ آپکے اندھے رواجوں کی پابندی کی جاتی تھی۔ ہزاروں عورتوں سے خودکشی کروائی لاکھوں عورتوں نے تڑپ تڑپ کر جان دی اور کروڑوں عورتیں گناہ کی تاریکی میں گم ہو گئیں۔ مگر اب زمانہ بدل چکا ہے۔ عورت کو بھی اسکا حق ملنا چاہئیے۔ اور اب آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ عورت کو بھی اپنی زندگی بنانے کا حق ہے ستی کی رسم جس طرح مٹائی گئی ہے اسی طرح مظلوم و لاوارث عورت کے لئے دوسری شادی کا رواج بھی ہونا ضروری ہے۔

" اگر آپکو ایسی ہی ہمدردی ہے تو کرائیے دوسری شادی کون منع کرتا ہے۔

" ضرور کراونگا۔ ڈاکٹر استقلال کے ساتھ بولا۔

"کون کرے گا اس سے بیاہ؟ برہمن نے طعن آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

" مل جائے گا کوئی نہ کوئی مہاتما۔ ڈاکٹر نے سختی سے جواب دیا۔

"چھوڑیئے ڈاکٹر صاحب ایک تو یہ کہ وہ مطلقہ ہے دوسرے یہ کہ اس نے اپنی ذات خراب کر لی اس لئے اب اسے سماج میں کہیں جگہ نہیں مل سکتی۔

ڈاکٹر کو ان جوابوں کے سننے سے بہت رنج ہوا۔ بولا۔

"میں اسکا دوسرا بیاہ کرا کے رہونگا ۔اس کے بعد وہ گھر آکر شالینی کے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگا۔



بہت کچھ سوچ بچار کے بعد ڈاکٹر نے کشن راو اور اس کے ہم قوموں کے خیالات کا اظہار شالینی کے سامنے کر دیا۔ چھپانا مناسب نہیں سمجھا۔ اسکے جواب میں شالینی نے بھی اپنی زندگی کے حالات مختصر طور پر اس سے بیان کیئے۔ جسکے سننے سے ڈاکٹر کے آنسو نکل پڑے شالینی بولی۔

"میرے سامنے !اسوقت دو راستے کھلے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر استفہامیہ نظروں سے اسکی طرف سے دیکھنے لگا۔ جب شالینی نے دیر تک اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا تو پوچھا۔

"کونسے دو راستے ؟

" ایک راستہ ڈاکٹر چندر کرن کے گھر کا۔ دوسرا پر لوک کا۔

آخر وہی ہونے کو ہے جسکا مجھے ڈر تھا وہ آہستہ سے بولا پھر بلند آواز سے بولا۔

" دونوں راستے بھی غلط۔ ڈاکٹر نے کہا۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تم کسی شودر سے شادی کر لو!

" شودر سے؟ شالینی نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں! خودکشی اور حرامکاری سے یہ کہیں بہتر ہے۔

شالینی نے ایک مرتبہ نگاہیں اٹھاکر ڈاکٹر کی طرف دیکھا اسکے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

" شالینی نظریں نیچی کر کے کچھ دیر بعد بولی۔ "مجھے منظور ہے۔ اسکے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل گئی۔

اسی شام کو ڈاکٹر نے اپنی خادمہ کے ذریعہ شالینی کے پاس بیاہ کے لئے اپنا پیام بھیجا جسے اس نے بلا پس و پیش منظور کر لیا۔ اس طرح ڈاکٹر کے التفات اور اپنی دور اندیشی سے کام لے کر شالینی نے نوجیون حاصل کر لیا۔

